مثالی لوگ

شہید عباس بابائی

تدوین وترجمہ: فصاحت حسین

Acc No. 10,985 Date 8/10/09
Section........................Status..........
D.D. Class..................................
NAJAFI BOOK LIBRARY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

KARACHI
7211795

مثالی لوگ (۸)

شہید عباس بابائیؒ

ترجمہ

فصاحت حسین

نشر شاہد

نام کتاب........ مثالی لوگ (شہید بابائی)

مؤلف..........فصاحت حسین

تصحیح.............سید نجیب الحسن زیدی

سرورق............محمد اشرف

ناشر.............نشر شاھد

کمپوزنگ..........وجاہت حسین

Isbn:978-964-394-371-4

فہرست

مقدمہ ناشر ۱

شہید بابائی ایک نظر میں ۳

پرہیزگار اور سچا انسان ۶

مکتب شہادت کا پروردہ.............................. ۹

امریکی جنرل کے سوالات.......................... ۱۱

F14 کے ساتھ پرواز.................................۱۵

مجسم اخلاص تھے................................ ۲۰

فضائی عملے میں ایک نئی روح پھونک دی.................. ۲۵

کامیاب قیادت ۲۶

خلوص سے سرشار تھا................................۲۸

عظیم شخصیت کی سادی زندگی.......................۳۳

مظہر خلوص تھا..................................۳۶

فضائی عملے کا مغز مفکر... ....۴۱

خدمت خلق کا عاشق... ....۴۴

با اخلاق اور با عمل کمانڈر.............................۵۴

مخلص انسان... .... ۶۱
ائمہ ان کے آئیڈیل تھے.. ۶۶
دلوں کو جیت لیتا تھا.. ۷۱
عام لوگوں میں گھلا ملا تھا... .... ۸۰
اسنے اپنے پورے وجود کو محاذ جنگ کیلئے وقف کردیا... .... ۸۸
عباس خود کو دشمن کے حملے کی زد میں لاتا تھا ۹۱
آئیڈیل شخصیت.. ۹۶
میں انہیں گاڑیوں کا دلال سمجھتا تھا.. ۱۰۰
یہ تمہاری شادی کا تحفہ ہے.. ۱۰۹
شادی شدہ فوجی اور گھریلو مشکلات ۱۱۸
پارٹی بازی ۱۲۶
گریۂ سحری ۱۲۸
وہ آگیا... .... ۱۳۰
بیٹی رحمت ہے. ۱۳۲
عزاداروں کے درمیان پابرہنہ.. ۱۳۴
سادی اور بے لوث زندگی ۱۳۶
میرے والدین سے نہ بتانا.. ۱۳۹

تھرمس توڑدیا تھا.. ۱۴۲
عباس ٹیم کا کپیٹن.. ۱۴۴
عظیم شخصیت کو سلام.. ۱۴۶
کمرے کی تقسیم.. ۱۴۸
وہ شرمندگی سے واپس لوٹ گیا.. ۱۵۱
اصفہان چھاؤنی کو آیت اللہ صدوقی کا تحفہ.. ۱۵۳
کاریگر علی نقی.. ۱۵۶
کاش سب لوگ عباس کی طرح سوچتے.. ۱۵۷
سپاہیوں کی عیدی.. ۱۵۹
دینی اور سیاسی مسائل پر عباس کی گہری نگاہ.. ۱۶۲
بسیجیوں کا نوکر.. ۱۶۴

مقدمہ ناشر

ایران کے اسلامی انقلاب کی برکتوں میں سے ایک ایسے ہمہ گیر چہروں کا ظہور ہے جو پوری ایک مملکت کو بیدار کرنے اور اسے نئی زندگی عطا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ وہ تابناک چہرے ہیں جو ایک طرف بلند اسلامی افکار سے آشنا ہیں اور دوسری طرف میدان عمل میں بھی شریعت کی پیروی میں بھی پیشگام ہیں، دشمنان دین کے مکر وحیلوں کو بھی جانتے ہیں اور ساتھ ہی محاذ کفر کے ساتھ برسرپیکار رہنے پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور شاید پوری تاریخ میں کبھی بھی امت مسلمہ آج کی طرح بڑی شدت کے ساتھ ایسے چہروں کے انتظار میں نہیں تھی۔

اس قسم کے مفکرین ایک خاص قوم وسرزمین سے بالاتر ہیں اور چونکہ یہ لوگ خالص اسلامی فکر کے پرورش یافتہ ہیں لہٰذا ہر مسلمان کے لئے، چاہے وہ کسی بھی زبان یا قوم سے وابستہ ہو، ایک نمونہ اور آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کے تابناک چہروں کو پہچاننے

کاایک طریقہ انکی زندگی کے ایسے مختلف حالات وواقعات کامطالعہ کرنا ہے جن سے انکے بلند افکار، دینی بصیرت اور سماجی کردار کابخوبی پتہ چلتاہے۔

ہمیں بہت فخر ہے کہ ہم ایسے چندایک اسلامی مفکرین کے حالات زندگی پر مبنی اردولٹریچر پیش کررہے ہیں جنہوں نے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں ایک اہم رول نبھایاہے۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمان جوان، ان عظیم ہستیوں کواپنا آئیڈیل قرار دے کراسلامی سرحدوں کے اندر، اسلامی فکر کی تقویت اور مذہبی اقدار کی بالادستی کے لئے کوشاں رہیں گے۔

اس مجموعہ کے لئے جن دوستوں نے تعاون دیاہے ہم ان سب کاشکریہ اداکرتے ہیں خاص کرجناب فصاحت حسین صاحب کہ جنہوں نے شہید بابائی کے زندگی نامہ کوتالیف کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔

شہید بابائی ایک نظر میں

شہید عباس بابائی نے ۱۹۵۸ میں شہر قزوین کے ایک متوسط اور مذہبی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ آپ بچپن سے ہی نمایاں خصوصیات اور صفات و عادات کے حامل تھے۔ دوسروں سے محبت سے پیش آنا اور حتی الامکان انکی مدد کرنا آپکا شیوہ تھا جسے آپ نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک جاری رکھا۔

ڈپلوما کرنے کے بعد آپ نے میڈیکل کالج میں انٹرنس کا امتحان دیا جس میں آپ قبول ہو گئے لیکن پائلٹ بننے کی اپنی دیرینہ خواہش پوری کرنے کیلئے آپ نے فضائی فوج کی اکیڈمی میں داخلہ لیا۔ ابتدائی ٹریننگ پوری کرنے کے بعد آپ فضائی فوج کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۹۷۰ میں

امریکہ چلے جاتے ہیں۔امریکا میں جس چیز نے انہیں دوسروں سے ممتاز بنادیا تھا وہ اپنے گھر سے دور مغربی دنیا کے اخلاقی طور پر فاسد معاشرے میں بھی دینی اقدار کا پابند اور تعلیم میں ممتاز ہونا تھا۔ ۱۹۷۲ میں آپ پائلٹ کی ڈگری کے ساتھ اپنے وطن ایران واپس آگئے۔انقلاب کے بعد جنگ شروع ہونے پر اسلام وانقلاب کی حفاظت کیلئے آپ کمربستہ ہوگئے۔ روز وشب کی طاقت فرسا مشکلات برداشت کرنے اور کم نظیر خدمت کی بنیاد پر آپ کو ۱۹۸۱.۷.۳۱ میں لفٹننٹ کرنل کا عہدہ ملا اوراس طرح آپ "اصفہان کی فضائی چھاؤنی" کے ہیڈ بنادیئے گئے۔

۲۶ جون ۱۹۷۵ میں آپ کی شادی آپکے ماموں کی لڑکی "صدیقہ (ملیحہ) حکمت" سے ہوئی۔اور خدا نے آپ کو "سلما" نام کی بیٹی اور "محمد" و "حسین" نام کے بیٹوں سے نوازا۔

•••

جنگ کے دوران خاص طور پر فضائی فوج اور عملہ کو آپکی خلاقیت اور جنگی ٹکنک نے بہت مستحکم بنادیا۔ کمانڈر ہونے کے باوجود آپ خود بھی فضائی آپریشن پر جاتے تھے۔ ۱۹۸۷ میں آپکی اسی ذہانت اور بے لوث خدمت کی وجہ سے آپ بریگیڈئیر کرنل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن عہدے اور شہرت وعزت نے آپکی شخصیت کو ذرہ برابر بھی متاثر نہیں کیا کیونکہ سادگی اور خلوص تو آپکی فطرت کا حصہ بن چکے تھے۔

۱۹۸۷.۸.۶ کو عید قربان کے دن آپ نے خدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا اور خدا نے آپکی خدمتوں کے نتیجہ میں آپکو شہادت کی نعمت سے نوازا۔

پرہیزگار اور سچا انسان

جب بنی صدر کمانڈر تھا اس وقت حالات بہت سخت تھے۔ ایسے افراد تھے جن کا دل صاف نہیں تھا۔ دوسروں کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تھے، پریشان کرتے تھے، صرف باتیں بناتے تھے اور کام کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن عباس بابائی نے انہیں بھی اپنی جانب جذب کرلیا۔ خود اس نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ کہ ایک پائلٹ تھا جو عراق کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گیا۔ یہ ان پائلٹز میں سے تھا جو ابتدا سے ہی حکومت کے مخالف تھے۔ شہید عباس بابائی نے اسکے ساتھ بہت دوستانہ رویہ رکھا یہاں تک کہ ایک رات اسے دعائے کمیل میں لے گیا۔ اگرچہ وہ عہدہ کے اعتبار سے بابائی سے بڑا تھا۔ شہید بابائی جلدی ہی کرنل

بنے تھے لیکن وہ کئی سال سے کرنل تھا۔ عمر اور کام کے بھی اعتبار سے اس سے بڑا تھا لیکن وہ دلی طور پر بابائی کے سامنے تسلیم ہو چکا تھا۔

شہید بابائی کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا کہ دعائے کمیل میں گریہ وزاری سے اسکا بدن لرز رہا ہے۔ اسکے بعد اس نے میری طرف رخ کر کے کہا: "عباس دعا کرو کہ میں شہید ہو جاؤں"۔ بابائی نے یہ بات مجھے اسکی شہادت کے بعد بتائی۔ وہ ایک واقعی مومن، پرہیزگار، سچا اور نیک انسان تھا۔

یہ ہمارا عزیز شہید ایک مومن و متقی انسان اور عاشق و فداکار سپاہی تھا اور اس پوری مدت میں میں نے اسے انہی صفات پر ثابت قدم دیکھا ہے۔ اس نے کبھی بھی اپنے ذاتی مفاد کے بارے میں نہیں سوچا اس کی نگاہ میں صرف انقلاب و اسلام کے مفادات تھے۔ وہ ایک ایسا کمانڈر تھا جو

اپنے ماتحت افراد سے انتہائی تواضع اور مہربانی سے پیش آتا تھا لیکن غلطیوں کے مقابلے میں سخت رویہ رکھتا تھا۔ یہ شہید عزیز ایک حقیقی اور سچا انقلابی تھا۔ اسکو دیکھتے ہوئے مجھے اپنے آپ پر افسوس ہوتا ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس عظیم اور حماسی میدان میں اس سے بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔

(رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ)

مکتب شہادت کا پروردہ...

شہید بابائی ۱۹۷۰ میں پائلٹ کی ٹریننگ کے لئے امریکا گئے۔ کالج کے قانون کے مطابق انہیں ۲ مہینہ کے لئے کسی امریکی طالب علم کے کمرے میں رہنا تھا۔

ظاہری طور پر امریکی اس قانون کا مقصد نئے اسٹوڈنٹ کی انگلش مستحکم کرنا بتاتے تھے لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ چونکہ عباس ان حالات میں بھی اپنے تمام دینی واجبات کو انجام دیتا تھا اس لئے امریکی معاشرہ کی بے قید و بند آزادی سے بیزار تھا۔ روم میٹ نے اسکے بارے میں جو رپورٹ دی تھی اس میں لکھا تھا کہ عباس ایک گوشہ نشین اور اجتماعی آداب و رسوم سے لاتعلق انسان ہے۔ اسکی چال ڈھال سے ایسا لگتا

ہے کہ وہ مغربی کلچر کے سلسلہ میں منفی نظریہ رکھتا ہے اور ایرانی ثقافت پر مکمل طریقہ سے پابند ہے۔

اس نے مزید لکھا کہ وہ ایک گوشہ میں چلا جاتا ہے اور اپنے آپ سے باتیں کیا کرتا ہے۔ اس سے اس کی مراد نماز و دعا وغیرہ تھی۔

امریکی جنرل کے سوالات

خود بابائی امریکا کے پائلٹ کالج سے پاس ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

امریکا میں ہمارا پائلٹ ٹریننگ کا کورس ختم ہو چکا تھا۔ لیکن میرے بارے میں جو رپورٹ دی گئی تھی اس کی وجہ سے میرے سلسلہ میں ابھی کچھ معین نہیں تھا اور مجھے سرٹیفکٹ نہیں دیا جا رہا تھا یہاں تک کہ ایک دن کالج کے پرنسپل امریکی جنرل کے دفتر میں بلایا گیا۔ کمرے میں داخل ہوا، میری فائل اسکے سامنے تھی۔ اس نے مجھ سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ جنرل وہ آخری آدمی تھا جسے مجھے سرٹیفکٹ دینے یا نہ دینے کے سلسلہ میں اپنا نظریہ دینا تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے میں نے انکا جواب دیا۔ اس کے سوالات سے ایسا لگ رہا تھا کہ میرے سلسلہ میں اسکا نظریہ

کچھ اچھا نہیں ہے۔

اس ملاقات کا تعلق بلاواسطہ میری عزت و آبرو اور حیثیت و مقام سے تھا کیونکہ میں اس بات کو بخوبی محسوس کر رہا تھا کہ گھر سے ۲ سال تک دور رہنے کا رنج و غم اور مستقبل کے تمام ارادے جو میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، ایک لمحہ میں ختم ہونے کی کگار پر تھے۔اور مجھے اپنے وطن بغیر کسی سرٹیفکٹ کے خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا۔ان خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اس نے جنرل سے کہا کہ کسی اہم کام کے لئے اسکے ساتھ کمرے سے باہر چلے۔میں کچھ لمحوں کے لئے کمرے میں تنہا ہو گیا۔اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ نماز ظہر کا وقت تھا۔اپنے آپ سے کہا: کاش یہاں پر نہ ہوتا اور اول وقت نماز پڑھ سکتا۔جنرل کو گئے ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ کوئی

اور کام نماز سے زیادہ اہم نہیں ہے۔ میں یہیں پر نماز پڑھوں گا۔ انشاءاللہ میری نماز ختم ہونے تک وہ نہیں آئے گا۔ کمرے کے ایک کونے میں گیا اور اخبار بچھا کر نماز شروع کر دی۔ نماز پڑھ ہی رہا تھا کہ جنرل کمرے میں آگیا۔ میں نے سوچا کہ اب کیا کروں؟ نماز جاری رکھوں یا توڑ دوں؟ آخر کار سوچا کہ نماز جاری ہی رکھوں۔ خدا جو کچھ چاہے گا وہی ہو گا۔ نماز ختم کرنے کے بعد جنرل سے معذرت کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ جنرل نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد مجھ پر ایک معنا خیز نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا: کیا کر رہے تھے؟ میں نے کہا: عبادت کر رہا تھا۔ اس نے کہا: وضاحت کرو۔ میں نے کہا کہ ہمارے دین کا حکم ہے کہ ہم لوگ دن بھر کے خاص اوقات میں اپنے خدا کے ساتھ راز و نیاز کریں۔ وہ وقت ہو چکا تھا میں نے بھی کمرے میں آپ کے نہ ہونے کا فائدہ اٹھایا اور اس

دینی واجب کوانجام دیا۔ جنرل نے سر ہلاتے ہوئے کہا: گویا تمہاری فائل میں جو کچھ تمہارے بارے میں لکھا ہوا ہے وہ یہی کام ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں ایسا ہی ہے۔ وہ مسکرایا۔ اسکی نگاہوں سے یہ بات عیاں تھی کہ اسے میرا اپنے دین و ثقافت کی رعایت کرنا اور امریکی ثقافت کے سامنے خود کو کھو نہ دینا اچھا لگا۔ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور اور میری فائل پر سائن کر دیا۔ اس کے بعد احترام کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا اور اور اپنے ہاتھوں کو میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ تم پاس ہو چکے ہو۔ تمہارے لئے کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ میں نے بھی اسکا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اس دن جیسے ہی مجھے تنہائی میسر ہوئی میں نے خدا کی عطا کردہ اس عظیم نعمت پر دو رکعت نماز شکر پڑھی۔

F14 کے ساتھ پرواز

F14 کے پیشرفتہ جہازوں کے فضائی لشکر میں شامل ہو جانے پر شہید بابائی جو ایک ذہین اور شکاری جہاز F5 کے ماہر پائلٹ تھے دوسرے افراد کے ساتھ F14 جہاز اڑانے کیلئے منتخب اور اصفہان کی چھاؤنی میں منتقل ہو گئے۔ ظالمانہ شاہی نظام کے خلاف اپنی اوج پر پہنچے مقابلے میں بابائی فضائی لشکر کے ایک انقلابی رکن کی حیثیت سے فوج کے دوسرے ذمہ دار افراد کے ہمراہ اس جنگ میں شامل ہو گئے۔ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد وہ روزمرہ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ چھاؤنی کی انجمن اسلامی کے سرپرست کی حیثیت سے انقلاب کے زریں نتائج کی حفاظت میں مصروف عمل رہے۔

•••

شہید بابائی ایمان، اخلاص، انتظامی صلاحیت اور اپنے فن میں ماہر ہونے کی وجہ سے یوں ابھر کر سامنے آئے کہ انکی قائدانہ صلاحیت ثابت ہو گئی اور انہیں ۱۹۸۱.۷.۲۹ میں فضائی آٹھویں چھاؤنی کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ چھاؤنی کی قیادت کے ساتھ ساتھ چھاؤنی اور شہر اصفہان کے اطراف کے محروم علاقوں میں تعمیراتی اور عمرانی کام بھی کرتے رہے۔ بجلی، پانی، حمام اور دیگر تعلیمی اور حفظان صحت کے امکانات فراہم کرتے رہے۔

بابائی نے اصفہان کی چھاؤنی کی قیادت میں قابل تحسین کفایت، صلاحیت اوراحساس ذمہ داری کا مظاہرہ کیا نتیجتا انہیں ۱۹۸۳.۱۱.۳۰ میں کرنل کا عہدہ دیتے ہوئے فضائی آپریشن کے متعلق امور میں نائب بنا کر تہران بھیج دیا گیا۔ انہوں نے جذبۂ شہادت

طلبی اور ایثار کے ذریعہ دفاع مقدس اور فضائی لشکر کی تاریخ میں زرّیں صفحات رقم کیے اور ۳ ہزار گھنٹہ سے زیادہ وقت مختلف جنگی جہازوں میں گزار کر اپنی عمر کا ایک اہم حصہ اسلام و انقلاب کے حوالے کیا۔اس طرح وہ بسیجیوں کے لئے ایک جانی پہچانی شخصیت، ذمہ دار اور عہدہ دار کے علاوہ انکے یار و وفادار اور باوفا دوست بن گئے۔ ۱۹۸۵ سے لے کر شہادت کے وقت تک ۶۰ سے زائد جنگی ذمہ داریوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔

شہید فوجی آپریشن کو تیزی کے ساتھ اور بہتر طریقہ سے انجام دینے کیلئے صرف نظارت پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ انفرادی طور پر قدم آگے بڑھاتے تھے اور تمام جنگی پلاننگ میں مشکلات و خطرات جاننے کے لئے شرکت کرنے والے پہلے پائلٹ وہ خود ہوتے تھے۔

کمانڈر بابائی نے جنگ کے دوران جو کارنامے انجام دیئے انکو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں ۲۸.۴.۱۹۸۷ میں بریگیڈ ئیر کے عہدے سے نوازا گیا۔

بریگیڈ ئیر بابائی بارڈر پار ایک فوجی ذمہ داری ادا کر کے واپس آتے وقت اینٹی ایئر کرافٹ کا نشانہ بن گئے۔

بریگیڈ ئیر بابائی عید قربان کے دن فضائی عملے کے ایک پائلٹ کے ساتھ علاقوں کی شناسائی اور آپریشن کے راستوں کی تشخیص کیلئے F15 ہوائی جہاز سے عراق کی فضا میں داخل ہوتے ہیں۔ کام ختم کرنے کے بعد واپس آتے وقت اینٹی ایئر کرافٹ کی گولی انکے سر میں لگ جاتی ہے اور وہ وہیں پر شہید ہو جاتے ہیں اگرچہ انکا ہوائی جہاز سلامتی کے ساتھ دوسرے پائلٹ کے ذریعہ لینڈ ہو جاتا ہے۔

فوج کے بڑے کمانڈرس کی ایک میٹنگ چل رہی تھی جب یہ خبر اس میٹنگ تک پہنچی ۔ فضا پر غمناک سکوت طاری ہو گیا اور حاضرین بالخصوص جو لوگ عباس بابائی کو نزدیک سے جانتے تھے ان تک پہنچی تو وہ اشک کے قطرات اپنے رخساروں تک آنے سے نہ روک سکے۔

شہادت کے وقت بابائی کی عمر ۳۷ سال تھی۔ وہ ایک ایسے آئیڈیل تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی ایثار و قربانی کے ساتھ گزار دی اور آخر کار عید الضحیٰ کے دن اپنی دیرینہ آرزو یعنی شہادت تک پہنچ گئے۔ اس طرح انکا نام ایران کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے ثبت ہو گیا۔

مجسم اخلاص تھے...

عباس بابائی سے میری پہلی ملاقات مسجد میں ہوئی تھی وہ بھی اس طرح نہیں کہ وہ میرے پاس آتے اور خود کو پہچنواتے بلکہ میں دیکھتا تھا کہ ایک جوان روز مسجد میں آتا ہے جسکا کام چائے کی پیالیاں اور برتن دھلنا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ کوئی سپاہی ہے۔ ایک دن کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ اس کو جانتے ہیں؟ یہ فضائی عملے کا بہترین پائلٹ ہے۔

وہ مسجد میں اپنا کام رضاکارانہ طور پر انجام دیتے تھے۔ میرے لئے یہ بات بہت دلچسپ تھی۔ کیونکہ ہر جگہ پر فوجی پائلٹ ایک ممتاز شخصیت ہوا کرتا ہے وہ بھی بابائی جیسا پائلٹ۔

بابائی کی جو خصوصیت موجودہ نسل کے لئے آئیڈیل بن سکتی ہے وہ

انکا اخلاص تھا۔ میں انکے اندر جس چیز کو نہیں پا سکا وہ دنیاوی چمک دمک کی طرف رغبت تھی۔ انہوں نے مجھ سے یہ بات بتائی تھی کہ وہ کبھی خمس کے مقروض نہیں ہوتے ہیں۔ وہ ہر مہینہ اپنی تنخواہ میں سے ضرورت بھر پیسہ نکال لیتے تھے اور بقیہ کو راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

کچھ پیسہ وہ مجھے بھی دیتے تھے یہ کہہ کر کہ چھاؤنی میں جو سپاہی مالی اعتبار سے کمزور ہیں یہ انکو دے دیجئے گا۔ وہ ایک عاشق انسان تھے۔ خدا، اہلبیت اور امام زمانہ کے عاشق۔

شہید بابائی نے مہارت اور دینداری کو یکجا کر دیا تھا۔ انقلاب کے ابتدائی دنوں میں بعض افراد کہتے تھے کہ مومن افراد کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں اور کسی علم میں مہارت کو دینداری کے ساتھ نہیں حاصل کیا جا سکتا لیکن بابائی نے بتا دیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

بابائی گاؤں اور عقب ماندہ علاقوں میں جاتے تھے میں بھی انکے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ انکی ضرورت کا سامان انہیں دیتے تھے اور ان سے پوچھتے تھے کہ کس چیز کی کمی ہے اگر گاؤں والے کہتے تھے کہ مثلاً یہاں پر حمام نہیں ہے تو وہ اپنے پیسہ سے حمام بنوانے کا کام شروع کر دیتے تھے یہاں تک کہ خود مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔

بابائی دن کے وقت غریب علاقوں میں جاکر وہاں کے حالات معلوم کر آتے تھے اور پھر رات کے سناٹے میں کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا سامان اپنی گاڑی میں رکھ کر لے جاتے تھے۔ اور اپنے امام آقا امام سجاد کی پیروی کرتے ہوئے بغیر اسکے کہ لوگ انہیں پہچان سکیں یہ سامان انکے دروازے پر رکھ کر چلے آتے تھے۔

اسی وجہ سے انٹلی جنس کو ان پر شک ہو گیا تھا کہ وہ رات میں کہاں

جاتے ہیں لیکن بعد میں سب کو حقیقت کا علم ہو گیا۔

بابائی نے انتہائی اہم اور خطرناک ذمہ داریاں انجام دیں لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ شخصیت جسکی وجہ سے بابائی ان ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دینے میں کامیاب ہو سکے، انکی اہلیہ ہیں۔ اس محترم خاتون نے تین بچوں کے ساتھ مصائب و مشکلات برداشت کرتے ہوئے ایک چھوٹے سے گھر میں زندگی گزاری۔ کیونکہ عباس بابائی کو فوج کی طرف سے جو عالیشان مکان ملا تھا انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا اور وہ ایک معمولی سے مکان میں زندگی گزار رہے تھے۔ اس خاتون نے تمام مشکلات کے ساتھ عباس بابائی کا ساتھ دیا تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھا سکیں۔

یہ پائلٹ ہماری میٹنگ میں خود تلاوت قرآن کرتے تھے اور مجالس

میں مصائب سید الشہداء پڑھتے تھے۔

(حجۃ الاسلام والمسلمین محمدی گلپایگانی)

فضائی عملے میں ایک نئی روح پھونک دی...

ہم لوگوں نے پائلٹ کی ٹریننگ امریکا میں لی تھی۔اسی وجہ سے جنگ کے دوران ہم جو طریقے استعمال کرتے تھے امریکانے انہیں عراق کے حوالے کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کی فضائی فوج ہم پر حاوی ہو گئی اور پھر ہمارے زمینی حملے بھی کمزور پڑنے لگے ۔کیونکہ فضا عراق کے ہاتھ میں تھی اور وہ زمینی جنگ میں ہماری فوج کو آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ شہید بابائی نے 'رعد' کے نام سے ایک عملہ بنایااور ایک بار پھر فضا ہمارے ہاتھ میں آگئی۔اسی وجہ سے فضائی عملے کے ساتھ ساتھ زمینی فوج نے بھی کامیابیاں حاصل کیں۔

کامیاب قیادت

مومن و مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک کامیاب کمانڈر بھی تھے۔ انکی انتظامی صلاحیت اور باریک بینی قابل داد تھی۔ ہمارے زیادہ تر فضائی آپریشن کا مغز مفکر یہی شخص تھا۔

شہید کی ایک خصوصیت انکا نیا طرز فکر تھا۔ انکا کہنا تھا کہ ہمیں صرف پیشرفتہ راڈار خریدنے پر اکتفا نہیں کرنی چاہئے بلکہ بارڈر پر ایسے افراد بھیجنے چاہئے جو راڈار کا کام کر سکیں۔ اور اس سادی روش پر عمل کیا گیا جس نے بہت سی کامیابیاں ہمارے مقدر میں لکھ دیں۔

میں نے ایک بار دعائے کمیل میں بابائی کے ساتھ شرکت کی ہے۔ گریہ وزاری کے ساتھ گلو گرفتہ آواز میں وہ خود ہی دعائے کمیل پڑھ رہے

تھے۔ میں نے بہت سے مذہبی پروگراموں میں شرکت کی ہے لیکن میں
قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کی بات کچھ اور ہی تھی۔

خلوص سے سرشار تھا...

میں اگرچہ شہید بابائی کے ساتھ بہت زیادہ نہیں رہا لیکن چونکہ میں دفاع مقدس کے سخت دنوں میں ان کے ساتھ رہا ہوں اس لئے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میری زندگی پر سب سے زیادہ اثر شہید بابائی کا ہے اور جو کچھ میں نے ان سے سیکھا ہے اور کسی سے نہیں سیکھا ہے۔

وہ فیصلہ لینے کے سلسلہ میں بہت غور و فکر کرتے تھے اور صحیح فیصلہ لیتے تھے۔ اگرچہ دوسروں کو بھی فیصلہ لینے کا موقع دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اسوقت ہمیں ان کا فیصلہ صحیح نہیں لگتا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہی صحیح تھا۔

انکی شخصیت میں ایک ممتاز صفت غلطی کرنے والے افراد سے انکا رویہ تھا۔ اسکی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ طے ہوا تھا کہ ۳ چھاؤنیوں کا ایک نمائندہ خاتم الانبیاء ہیڈ کوارٹر جائے۔ ہمدان چھاؤنی سے میں اور دوسری دو جگہوں سے دو لوگ آئے۔ ہر ایک کے اوپر ایک ذمہ داری تھی جس کی وہاں جاکر پریکٹس کرنا تھی۔ ۲۰ دن کا وقت دیا گیا تھا۔ ہماری چھاؤنی کا کام اگلے ہی دن ختم ہو گیا۔ لیکن دوسری چھاؤنیوں کو مزید تمرین کی ضرورت تھی دوسری طرف سے جلدی بھی تھی کہ کام ۱۵ دن سے پہلے ہی ختم ہو جائے اور ۲۰ دن نہ لگیں۔ وہ دونوں لوگ تمرین میں مصروف تھے کہ بابائی نے ایک دن فون کیا اور کہا: ابھی تک کام کیوں نہیں ختم ہوا؟ میں نے کہا کہ آپ نے انہیں ۲۰ دن کی فرصت دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان سے کہو کہ کام جلدی ختم کر دیں۔ ایک پائلٹ

پریکٹس کر کے لوٹ رہا تھا اس وقت اسکی غلطی سے ہوائی جہاز اترتے وقت ہوائی پٹی سے الگ ہٹ گیا اور حادثہ ہو گیا۔ شہید بابائی جائزہ لینے کے بعد سمجھ گئے کہ جس طرح سے کام کرنا چاہیئے تھا انہوں نے نہیں کیا ہے اس لئے وہ بہت ناراض ہوئے کیونکہ ایک ہوائی جہاز کا نقصان ہو گیا تھا اس لئے اس فرد کو تنبیہ کرنا ضروری تھا۔ انکی تنبیہ یہ تھی کہ بابائی نے ایک ہفتہ تک ان سے بات نہیں کی۔ وہ لوگ میرے پاس فون کرتے تھے کہ آخر اب ہم کیا کریں؟ وہ لوگ چاہتے تھے کہ انہیں بڑی سے بڑی سزا دے دی جائے لیکن بابائی ان سے بات کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ اپنی پوری عمر میں اتنی بڑی سزا آج تک نہیں ملی تھی۔

ہم نے اس طرح کی تربیتی تنبیہ بہت کم دیکھی تھی۔

وہ لوگوں سے بہت خوش اخلاقی سے ملتے تھے اسی وجہ سے جسکو بھی

کوئی ضرورت ہوتی تھی وہ بابائی کے پاس آتا تھا۔ اگرچہ لوگ دوسروں کے پاس یہاں تک کہ جو عہدے کے اعتبار سے ان سے بڑے تھے انکے پاس بھی جاسکتے تھے لیکن وہ لوگ بابائی کے پاس ہی آتے تھے۔

شہید بابائی نے فضائی فوج کو بہت سی نئی ٹکنک دی۔ چونکہ ہم سب میں وہی سب سے زیادہ خدا سے نزدیک تھے اسلئے خدا انکی مدد کرتا تھا اور انکے ذہن میں بہت سی ایسی باتیں آتی تھیں جنہیں الہام کہا جاسکتا ہے۔

اگرچہ ہم نے ایک اہم شخصیت کو کھو دیا لیکن بابائی نے اپنی شہادت سے ہمیں بہت سے سبق دیئے۔ وہ ایک آئیڈیل شخصیت تھی جسے اسی طرح شہید ہونا چاہیئے تھا کیونکہ ایک پائلٹ کی آرزو ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ شہید ہو نہ کہ بوڑھا ہو کر یا پھر کسی سڑک کے حادثہ میں مر جائے۔ آج بہت سے لوگ ہیں جو بابائی کی جگہ لینا چاہتے ہیں۔

•••

میری بھی آخری خواہش یہی ہے کہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں رٹائر ہونا نہیں چاہتا ہوں۔

(بریگیڈیئر پائلٹ سیروس باہری)

عظیم شخصیت کی سادی زندگی

عباس ٹریننگ کے لئے امریکا جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ آسمان اور فضا کا دیوانہ تھا لیکن اسکے والد راضی نہیں تھے۔ گھر میں تعمیری کام چل رہا تھا کاریگر نے اسکے والد سے کہا: "آپ اسے اجازت دیں یا نہ دیں ایک دن ایسا ہو کر رہے گا"۔ بہر حال انہوں نے اسی رات عباس سے کہا: "بیٹا! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا مستقبل اور تمہاری کامیابی اسی ٹریننگ پر جانے سے ہے تو میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ کل یہ سوچو گے کہ میں تمہاری ترقی کی راہ میں حائل ہو گیا"۔ اس کے بعد عباس امریکا چلا گیا۔ ۳ سال بعد امریکا سے لوٹا۔ وہ تین سال تو میں نے کسی طرح کاٹ لیے کیونکہ اسکی واپسی کی امید تو تھی۔ اب اسی لئے گا ہے بگا ہے اسکی قبر پر جا کر اس سے

باتیں کرتی ہوں، روتی ہوں، فریاد کرتی ہوں۔ بیٹا تم کہاں چلا گئے؟ میں تمہاری ماں ہوں؟ میں کیسے یقین کرلوں کہ تم اس خاک کے اندر ہو....

اس نے بہت سادی زندگی گزاری۔ ہمارے شہر میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنا بڑا پائلٹ اور ملک کی اتنی اہم شخصیت ہے کیونکہ وہ گھر کبھی بھی پائلٹ کی وردی میں نہیں آتا تھا ہمیشہ سادے لباس میں۔

میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب ایک بار وہ رات ۱۰ بجے تہران سے گھر آیا۔ مجھے آواز دی کہ ماں میرے ساتھ آیئے باہر چلتے ہیں۔ میں بھی تیار ہو گئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی میں بہت سا چاول اور تیل رکھا ہوا تھا۔ مجھے ایک دور دراز کے محلہ میں لے گیا۔ ایک تنگ و تاریک گلی میں۔ گلی سے پہلے ہی اپنی گاڑی روک دی اور گاڑی کی لائٹ جلا کر مجھے ایک گھر دکھایا اور کہا: "ماں جلدی سے تھوڑا سا چاول اور تیل اٹھا کر لے

جایئے اور اس گھر کے سامنے رکھ دیئے۔ دروازہ کھٹکھٹا کر فوراً چلی آیئے"۔ میں سامان رکھ کر چلی آئی۔ ابھی گاڑی کے پاس پہنچی ہی تھی کہ اس نے لائٹ بند کر دی۔ میں کسی طرح دیوار پکڑ کر گاڑی تک پہنچی۔ میں نے کہا تم نے لائٹ کیوں بند کر دی۔ کہنے لگا: "ماں میں نے سوچا کہ وہ عورت سامان اٹھانے کیلئے جب دروازہ کھولے گی اور اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو اسے شرمندگی ہو گی اسلئے میں نے لائٹ بند کر دی۔ رات کا سناٹا تھا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن گاڑی کی اسٹیرنگ پر گرتے ہوئے عباس کے آنسوؤں کی آواز میں بہت اچھی طرح سن سکتی تھی۔

(بریگیڈیئر پائلٹ شہید عباس بابائی کی والدہ)

مظہر خلوص تھا...

اگرچہ پہلے میں شہید بابائی سے کئی بار مل چکا تھااور متاثر تھا بھی لیکن اچھی طرح ملاقات اس وقت ہوئی جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہوائی جہاز سے آرہے ہیں۔ جب وہ چھاؤنی میں آگئے تو میں انہیں ایک ائیر کنڈیشنڈ گاڑی سے لینے کے لئے گیا۔ جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھے انہوں نے پہلی اور آخری بار مجھے بہت غصہ سے دیکھااور کہا: یہ سب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں خود بھی کبھی اس کو استعمال نہیں کرتا ہوں لیکن چونکہ آپ آرہے تھے اس لئے لینے آگیا۔ ہم لوگوں کو ایک دوست کے گھر جانا تھا۔

وہ راستے میں مجھے نصیحت کرنے لگے۔ مقدس اربیلی کا واقعہ سنایااور کہا کہ شیطان دھیرے دھیرے انسان کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ آج

تم یہ سمجھ رہے ہو کہ کوئی بات نہیں ہے لیکن کل سمجھو گے کہ اس گاڑی میں بیٹھنا میرا حق ہے۔ اس طرح انسان دھیرے دھیرے طاغوت کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے اور خود کو عام لوگوں سے دور کر لیتا ہے۔ پھر تم یہ سمجھنے لگو گے کہ تمہیں واقعی کوئی رتبہ اور حیثیت مل چکی ہے۔ دوسری طرف لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے؟ یہی کہ اس گرمی میں ان جناب کو دیکھو کتنے آرام سے ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بیٹھ کر جارہے ہیں اور ہم لوگ پیدل ہی چل رہے ہیں۔ کوشش کرو کہ سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

میں نے کہا کہ میں بھی ان چیزوں کی رعایت کرتا ہوں لیکن چونکہ آپ آرہے تھے اس لئے میں چلا آیا۔ لیکن انہوں نے مجھے یہ بات اچھی طرح سمجھادی تھی کہ مقام و منصب کوئی بھی چیز نہیں ہے۔

دوسری بار جب وہ آئے اور میں انہیں لینے گیا تو وانٹ لے کر گیا۔

بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ کام صحیح کیا۔ اب جس گرمی کا احساس دوسرے افراد کر رہے ہیں ہم بھی اسکو محسوس کر سکتے ہیں۔

جب میں چھاؤنی میں تھا۔ کام کرتے کرتے بہت تھک چکا تھا اسلئے جانا چاہتا تھا۔ بابائی سے ملاقات ہوگئی انہوں نے کہا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے بتایا تو انہوں نے کہا جا کر فلاں شخص کو آج رات بھیج دینا۔ میں نے پہنچ کر جب اس سے کہا تو اس نے کہا کہ آج رات مجھے اپنے بچے کیلئے دودھ لینا ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں صبح جلدی چلے جانا۔ صبح کو بابائی کا فون آیا۔ کہنے لگے کہ وہ رات میں کیوں نہیں آیا۔ میں نے مشکل بتائی اور کہا میں نے ہی اسے رکنے کی اجازت دے دی اس وقت وہ راستے میں ہوگا۔ میرے اعتبار سے رات یا صبح میں کوئی خاص فرق نہیں تھا اور بہت دیر نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن بابائی کا حساب کتاب بہت باریک بینی کے ساتھ

ہوتا تھا۔ کہنے لگے: اگر بارڈر پر دولوگ شہید ہو جائیں تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ قیامت کے دن خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟

میرے لئے یہ بات بہت عجیب تھی کیونکہ ایک اونچے عہدے کا کمانڈر تنبیہ کر سکتا ہے لیکن بابائی نے مجھے خدا کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

شہید بابائی بہت سی باتیں دوسروں کو بتا کر پریشان نہیں کرتے تھے۔ آپریشن کے درمیان میں ہی کبھی کبھی وہ کہتے تھے کہ فلاں افراد لوٹ آئیں۔ ہمیں تعجب ہوتا تھا لیکن وہ خوب سمجھتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

انکی کوشش ہوتی تھی کہ دوسروں کو ذہنی تشویش سے دور ہی رکھیں اور سارا ذہنی بوجھ خود ہی اٹھاتے تھے۔ وہ اپنی پوری عمر میں ایک استاد اخلاق، عظیم اور صابر انسان تھے۔ میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی کبھی کچھ کہا ہو۔ ان سب کے ساتھ

ظاہری اور باطنی تقویٰ کے ذریعہ وہ تمام امور کو خالصانہ طور پر انجام دیتے تھے۔ کسی بھی درجے اور فوج کا سپاہی ہو سب کے ساتھ برابر سے پیش آتے تھے۔ انکی زندگی میں اسلامی اقدار کے علاوہ کسی اور چیز کی اہمیت نہیں تھی۔

شہید بابائی نے مختصر سی عمر میں بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ ایک ایسی زندگی گزاری جو دوسروں کے لئے سبق بن گئی اور جاتے جاتے دوسرں کے دلوں میں ہمیشہ کیلئے زندہ رہ گئے۔

(بریگیڈئیر پائلٹ سید اسماعیل موسوی)

فضائی عملے کا مغز مفکر...

شہید بابائی میں بہت سی ایسی خصوصیات تھیں جو عام طور پر کمانڈر میں نہیں ہوتی تھیں۔ مثلاً وہ نماز جماعت میں شرکت کرتے تھے۔ دوسرے افراد بھی شرکت کرتے تھے لیکن ان میں یہ بات زیادہ نمایاں تھیں۔ ماتمی جلوس میں شرکت کرتے تھے۔ قرأت قرآن کرتے تھے۔ یہ چیزیں اس دوران بہت زیادہ رائج نہیں تھیں خاص طور پر کسی بریگیڈئیر پائلٹ کی زندگی میں۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ انہیں دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

ایک خدائی اور مذہبی انسان ہونے کے ساتھ ساتھ شہید بابائی کی انتظامی صلاحیت بہت مستحکم تھی۔ وہ ایک بہترین کمانڈر تھے۔ افراد اور

انکی صلاحیتوں پر انکی گہری نگاہ رہتی تھی۔

جنگ کے دوران جو ٹکنک ہم استعمال کرتے تھے وہ ہم نے امریکا میں ٹرینگ کے دوران سیکھی تھی اور دشمن کے پاس اس وقت وہ تمام ٹکنک اور معلومات موجود تھیں اس کے علاوہ جدید ہتھیار اور ٹکنک بھی انکے پاس موجود تھی اس وجہ سے ہماری جنگی ٹکنک تو انکو معلوم تھی لیکن ہمیں انکی ٹکنک نہیں معلوم تھی۔ ایسے وقت میں عباس بابائی نے فضائی فوج کو بہت سی نئی ٹکنک دی اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ عراق کی جدید ہتھیاروں سے لیس فضائی فوج کا مقابلہ کر سکے۔ انہوں نے جن جہازوں کی ٹرینگ نہیں لی تھی ان میں بھی غور و فکر کر کے انہیں اچھی طرح استعمال کیا۔ انکے بعد بہت سے ایسے کمانڈر آئے جنہوں نے شہید بابائی سے یہ سیکھا کہ بہت سے بڑے بڑے کام انجام دیئے جا سکتے ہیں اور ان

کمانڈروں نے بہت سے نئے طرز عمل اپنائے اور کامیابیاں حاصل کیں۔

شہید بابائی کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے رویہ اور طرز عمل سے ایک دوسرا بابائی بنا دیتے تھے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ (جنمیں میں خود بھی تھا) انکی طرح بننے کی کوشش کرتے تھے۔

انکی ایک اہم خصوصیت لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا اور انکی وسعت قلبی ہے۔

انہوں نے صرف باتوں کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ ہم لوگوں کو خدا پر توکل اور اہلبیت سے توسل کا درس دیا ہے۔

(بریگیڈ یئر پائلٹ سیاوش مشیری)

خدمت خلق کا عاشق...

عباس ضرورتمندوں کی مدد اور خدمت کرنے کے دیوانے تھے۔ وہ انقلاب سے پہلے کے زمانے میں جبکہ عام طور پر لوگ ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شادی کے ۲ مہینہ بعد سے ہی عباس نے میرے کانوں میں یہ بات ڈالنا شروع کر دی کہ دنیاوی مال و متاع کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ محروم و ضرورتمند لوگوں کی مدد کرنا چاہیئے۔ مجھے تیار کرنے کے بعد میری ماں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ گھر کا سامان جو ہم نے اپنی ازدواجی زندگی کے لئے فراہم کیا تھا کسی ضرورتمند کو دینا چاہتے ہیں۔ اور انہوں نے اسے انجام بھی دیا۔ اسکے بعد تو ہماری زندگی بہت سادی ہو گئی۔ انکے بہت سے

دوست انہیں ان کاموں سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس دو دن کی دنیاوی زندگی میں اچھی طرح جینا چاہئے لیکن وہ معصومین کی احادیث کے ذریعہ ان سے اپنی بات منوا لیتے تھے۔ وہ برے افراد کو بھی اپنی اچھی باتوں سے متأثر کر دیتے تھے۔

شہادت سے تین مہینہ پہلے ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ اچانک مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا کہ کیوں آج تک ہمارے گھر میں کوئی شہید نہیں ہوا اور ہمیں یہ شرف نہیں ملا۔ میں نے عباس سے جیسے ہی یہ بات کہی انہوں نے اسٹیرنگ پر سے اپنا ہاتھ ہٹا کر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: "خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے میری اہلیہ کے دل میں یہ بات ڈال دی"۔ پھر عباس نے میری طرف رخ کیا اور کہا: "اب میں آسودہ خاطر ہو گیا ہوں۔ میں اپنے بچوں کو تمہارے حوالے کرتا ہوں"۔

عباس گھر بہت کم آتے تھے لیکن جس تھوڑے سے وقت میں بھی آتے تھے پچھلے دنوں کی کمی پوری کر دیتے تھے۔ بچوں کے ساتھ بچوں کی طرح کھیلنا اور ہنسی مذاق کرنا انکا شیوہ تھا۔ میں کبھی کبھی ان سے کہتی تھی کہ آپ فضائی فوج کے ایک بڑے عہدیدار ہیں اگر کوئی اس طرح سے بچوں کی سی حرکتیں کرتا دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ لیکن ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور ایک بڑے عہدے کے باوجود ان میں کسی قسم کا غرور نہیں تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مکمل طور پر گھر والوں کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔

لوگوں کی خدمت کرنا تو انکی فطرت میں شامل تھا۔ جب ہم لوگ اصفہان چھاؤنی میں تھے تو عباس آس پاس کے دیہاتوں میں جا کر لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ کاظم آباد کے نام سے ایک گاؤں تھا جہاں بہت

غریب لوگ رہتے تھے عباس وہاں مسلسل جاتے تھے۔ عباس نے اس گاؤں کی بہت سی مشکلیں ختم کردی تھیں۔ کبھی کبھی میں بھی انکے ساتھ جاتی تھی اور ان لوگوں کیلئے کھانا بناتی تھی۔ اس گاؤں کے قدرشناس لوگوں نے عباس کی شہادت کے بعد اس گاؤں کا نام بدل کر "عباس آباد" رکھ دیا۔

وہ ہم لوگوں کو کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے کہتے تھے۔ خاص طور پر تلاوت قرآن اور اول وقت نماز پر بہت زور دیتے تھے۔ عباس جب گھر آتے تھے تو ہم لوگ صبح انکی تلاوت قرآن کی خوبصورت آواز سے اٹھتے تھے۔

عباس کے دوست نے مجھے بتایا کہ امریکا میں ہم لوگ اس سے بہت کہتے تھے کہ شراب پی لو لیکن اس نے کبھی بھی شراب کو منہ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے پلاننگ کی کہ شراب کو کولڈرنک میں ملادیا

جائے۔ کیونکہ عباس کو کولڈرنک بہت پسند تھی۔ البتہ ہم نے سارے دوستوں کی کولڈرنک میں شراب ملادی تھی تاکہ عباس کو شک نہ ہو۔ عباس آئے اور آکر بیٹھ گئے بہت دیر تک بیٹھے رہے لیکن انہوں نے کولڈرنک کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ہم سب کو بہت تعجب ہوا۔ بعد میں انہوں نے ہم سے کہا کہ میری حس نے مجھے بتادیا تھا کہ تم لوگوں نے کوئی ایسی حرکت کی ہے۔ میں تم لوگوں سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ یہ سب مت کرو۔ اگراب بھی تم لوگ چاہتے ہو کہ اس طرح کے کام کرو تو مجھ سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ اس کے بعد ہم سب نے عبرت حاصل کرلی کیونکہ امریکا میں ہم لوگوں کو اس طرح کے کام کرنے کی آزادی تھی لیکن عباس اس آزادی کے باوجود اپنے دین کے پابند تھے۔

جنگ کے دوران عباس بہت کم گھر آتے تھے۔ بچوں سے عباس کی

ملاقات بہت کم ہوتی تھی کیونکہ رات دیر سے آتے تھے اور صبح جلدی ہی چلے جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ یہ صرف تم ہو کہ جس کی وجہ سے میں جنگ میں دلجمعی کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا کہ میرے بچوں کو تم اتنی اچھی طرح رکھو گی تو میں آسودہ خاطر ہو کر اپنی ذمہ داری پوری نہ کر پاتا۔

ہم لوگوں کو ایک ساتھ حج کرنے جانا تھا کیونکہ عباس کی یہ دلی آرزو تھی کہ ہم دونوں ایک ساتھ مکہ میں ہوں۔ مقدماتی کام سبھی پورے ہو چکے تھے کہ ایک دن عباس نے کہا میں نہیں جا سکتا ہوں۔ تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ خلیج فارس میں اس وقت دشمن غالب ہے۔

بابائی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اس وقت ملک کی حفاظت

انکا فریضہ ہے۔ ملک کو انکی ضرورت ہے۔ دوسروں نے بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانے۔ مجھ سے کہنے لگے: "پریشان نہ ہو۔ تم جاؤ اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرو۔ وہاں جا کر جنگ کے جلد از جلد ختم ہونے، امام زمانہ کے ظہور اور ہم لوگوں کی طول عمر کی دعا کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں مُحرِم ہونے سے پہلے تم تک پہنچ جاؤں"۔ اس طرح عباس نے مجھے تسلی دیدی۔

میں حج پر چلی گئی۔ سعودی حکومت کے ذریعہ ایرانی زائروں کے قتل عام کا دلخراش واقعہ اسی سال پیش آیا تھا۔ عید قربان کے اگلے دن آقائے اردستانی نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگوں کو واپس لوٹنا ہے۔ میں نے کہا: کیوں؟ ابھی تو ہم لوگوں کو دس دن مزید رکنا ہے۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ حکومت کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ ایک فوجی کارواں ہے اسلئے اس پر انکی نظر ہے ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو یرغمال بنالیا جائے۔

جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ مجھے عباس کی تشییع جنازہ میں لے جانا چاہتے تھے کیونکہ امام خمینی کا حکم تھا کہ شہید بابائی کی اہلیہ کو واپس بلالیا جائے۔ بہر حال اگلے دن ہم لوگ سوار ہو گئے۔ میرا دل عجیب و غریب قسم کے خیالات میں غوطہ زن تھا۔ ہمارا جہاز زمین پر اترا اور ہم لوگ باہر آ گئے۔ ائیر پورٹ کا منظر ایسا تھا کہ جیسے کوئی اہم شخصیت آنے والی ہو۔ بہت سے سپاہی ہاتھ میں وائرلس لیے کھڑے تھے۔

میں سوچ رہی تھی کہ عباس میرے استقبال کیلئے کیوں نہیں آئے۔ مجھے ایک گاڑی میں بٹھا کر ہیلی کاپٹر کی طرف لے جایا گیا اور کہا گیا کہ چونکہ روڈ پر بہت مجمع ہے اس لئے ہیلی کاپٹر سے جانا ہو گا۔ میں نے منع کر دیا کیونکہ عباس بیت المال سے اتنا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ روڈ پر مجمع ہونے کی وجہ سے میں گاڑی کے بجائے ہیلی کاپٹر میں جاؤں۔

بہر حال ان لوگوں کے بہت اصرار پر میں ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئی۔ میری جستجو اور اضطراب بہت بڑھ چکا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ میں اب گریہ کر رہی تھی۔

ایک آدمی نے مجھ سے آکر کہا کہ عباس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور اسپتال میں ہے۔ تھوڑی بہت چوٹ آئی ہے لیکن زیادہ پریشان ہونے اور رونے کی ضرورت نہیں ہے۔

میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ تبھی میں نے دیکھا کہ آقائے اردستانی اور آقائے روشن رو رہے ہیں؟ میں نے پوچھا ماجرا کیا ہے؟ اب میں کچھ کچھ سمجھ گئی تھی...

تشییع جنازہ کی آمادگی ہو رہی تھی۔

مجھے کولڈ اسٹورج لے جایا گیا۔ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ

عباس لیٹے ہوئے تھے۔ گولی انکے گلے میں لگی تھی اور شہ رگ کو کاٹ گئی تھی۔

"عباس! مجھ کو خدا کے گھر بھیج کر آپ خدا کے پاس چلے گئے"۔

(صدیقہ حکمت، بریگیڈیئر پائلٹ شہید عباس بابائی کی اہلیہ)

بااخلاق اور باعمل کمانڈر...

شہید بابائی ایک جوان تھے اور جس دور میں وہ زندگی گزار رہے تھے اس دور کے جوانوں کی ایک بڑی تعداد فلمی دنیا کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ لیکن بابائی نے دنیا پرستی سے ہٹ کر ایک نئی دنیا بنائی۔

وہ کبھی فوجی لباس نہیں پہنتے تھے ہمیشہ بسیجیوں کے سادے لباس میں رہتے تھے۔ کون ایسا ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ بابائی نے ۴۰۔۵۰ ڈگری کی گرمی میں بھی ٹھنڈا پانی پی لیا ہو۔ کہتے تھے کہ وہ بسیجی جو اسوقت بارڈر پر ہے اسے ٹھنڈا پانی کہاں میسر ہوگا۔ اپنے نفس پر بہت مسلط تھے۔

علی سیفی کے نام سے ایک فرد ہے۔ یہ خاتم ہیڈ کوارٹر میں کھانا بناتے

تھے۔ ایک مومن اور متقی انسان۔ واضح سی بات ہے کہ کمانڈر اور بریگیڈیئر ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے لیکن شہید بابائی ہمیشہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

تمام عہدیداروں نے اپنا گھر بدل لیا لیکن انہوں نے فوج کی طرف سے ملا عالیشان گھر دوسرے کو دے دیا اور خود ایک معمولی سے مکان میں رہنے لگے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اسے کہہ کر گذر جانا آسان ہے لیکن ہمیں ان باتوں پر غور و فکر کرنا چاہیئے۔

انکے ماتحت کام کرنے والے افراد کے اختیار میں کئی ہوائی جہاز تھے لیکن وہ خود ٹرین سے دزفول جاتے تھے۔ ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ ٹرین کا ٹکٹ لے آؤ کیونکہ اس وقت کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے کہ ہوائی جہاز استعمال کیا جائے۔

یہ انکی عملی نصیحتیں تھیں جو پائلٹ اور دوسروں کے لئے انجام دیتے تھے۔ انکا اس روایت پر مکمل یقین تھا کہ تبلیغ عمل کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

انکی اخلاقی زندگی پر بہت گفتگو ہوتی ہے لیکن انکی فوجی انتظامی صلاحیت کو بہت کم بیان کیا گیا ہے۔

'رعد' چھاؤنی بنانا انکی خلاقیت تھی۔ ۱۹۸۷ میں فضائی فوج بہت مشکل میں گرفتار ہوگئی تھی۔ دو ہوائی جہاز بارڈر کی طرف بڑھتے تھے دونوں کو دشمن مار گراتا تھا۔ ایسے میں بابائی نے 'رعد' چھاؤنی بنائی اور علم و ٹکنالاجی میں بسیجی فکر ڈال دی۔ جس جگہ سے ۲ ہوائی جہاز آگے نہیں بڑھ سکتے تھے اور دونوں دشمن کا نشانہ بن جاتے تھے وہاں سے ہمارے جہازوں نے ۳۰۰ اڑانے بھریں اور ایک بھی نہیں مارا گیا۔ یہ ایک بے مثال کام تھا۔

فضائی فوج میں ایک اصطلاح ہے "لاف بامبنگ" یہ بامبنگ کی ایک ٹکنک ہے جو ہوائی جہاز کو محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ دراصل F4 کی ٹکنک ہے لیکن بابائی نے اسے F5 پر بھی استعمال کیا۔ وہ اس طرح سے کہ ہوائی جہاز ہماری فضا میں رہتا ہے اور بم جاکر ۷ کلومیٹر دور گرتا ہے۔ انہوں نے ٹکنکل طریقہ سے اسکا ٹسٹ کیا، پریکٹس کی اور پھر یہ کام کردکھایا۔

انکی نگاہ میں اسلام اور اسلامی نظام کا مستقبل تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب یہ لوگ ہمیں ایک پرزہ بھی نہیں دیں گے۔

رعد کا کام انتہائی غیر معمولی کام تھا۔ اسے ایک دو گھنٹہ میں یا ایک دو انٹرویو میں نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ تہران میں ہم جو پلاننگ کرتے تھے وہ منافقین کے ذریعہ دشمنوں تک پہنچ جاتی تھی اور نتیجہ میں ہمارا جہاز بارڈر

پر پہنچنے سے پہلے ہی نشانہ بن جاتا تھا۔ شہید بابائی نے وہاں سے ہٹ کر اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ 'رعد' بنا ڈالی اور وہاں سے بغیر کسی نقصان اور سانحہ کے ۳۰۰ اڑانیں سب نے دیکھیں۔

یقین مانئے یہ کام بڑے سے بڑے اسپشلسٹ اور ماہرین نہیں کر سکتے۔ بابائی صرف ایک مذہبی، مومن، چھوٹے بال رکھنے والا اور ایک سادی زندگی بسر کرنے والا انسان نہیں تھا بلکہ ٹکنکل میدان میں اس کی خلاقیت بے مثال ہے۔ جس پر مزید تحقیق اور گفتگو ہونی چاہئے۔

ایسا کمانڈر کہاں ملے گا۔ وہ خود دشمن کی فضا میں جا کر حالات کا اندازہ کرتے تھے، پلاننگ کرتے تھے اور پھر واپس آکر افراد کو بھیجتے تھے۔ ان سب کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھاتے۔ آج اس چھاؤنی میں جانا ہے تو کل دوسری جگہ لیکن وہ تمام امور پر مسلط تھے۔

•••

جنگ کا اصول ہے کہ اگر آپ دشمن اور اسکی قدرت کو اچھی طرح پہچان لیں اور اپنی قدرت کو بھی اچھی طرح جانتے ہوں تو آپ بہترین پلاننگ کر سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔ شہید بابائی ایک ایسے فوجی کمانڈر تھے جو دشمن کو اچھی طرح جانتے تھے اور اپنی طاقت اور قدرت کو بھی۔اس کے ساتھ ساتھ خدا پر انکا توکل قابل دید اور بے نظیر تھا۔ انکے سارے کام خدا کی رضایت کیلئے ہوتے تھے۔

آج ہمارے سسٹم میں جو بہت سی مشکلات ہیں شہید بابائی انکو اس وقت حل کر چکے تھے۔ مثلاً ایک مشکل یہی ہے کہ کسی کام کی تحقیق و جستجو کیلئے کتنا وقت برباد ہوتا ہے، کتنی رپورٹ لکھی جاتی ہے۔ لیکن بابائی نے اس مشکل کا اس طرح مقابلہ کیا تھا کہ اگر انکو کسی مشکل کے سلسلہ میں تحقیق و جستجو کرنا ہے تو بجائے خط بازی اور کاغذ بازی کے وہ خود

چھاؤنیوں میں چلے جاتے تھے، بغیر کسی اعلان کے وہاں ایک رات رک کر چلے آتے تھے اور پھر صبح سب کو معلوم ہوتا تھا کہ بابائی آکر تمام حالات سے واقف ہو چکے ہیں۔

مخلص انسان...

پہلی بار جب بابائی سے میری ملاقات ہوئی تو ۱۳۵٤ میں میں

دز فول کی چھاؤنی میں تھا۔ اس وقت ہم دونوں امریکا سے لوٹے تھے اور

F5 کے پائلٹ تھے۔

پائلٹ ایک دوسرے کے لئے خاص قسم کے جذبات رکھتے ہیں۔

لیکن بابائی کے اندر کچھ اور ہی بات تھی۔ میں بہت جلدی انکے قریب

ہو گیا۔ انکی مسحور کن شخصیت نے مجھے اپنی جانب کھینچ لیا۔

بابائی سے ملاقات میں انکی خصوصیت جس نے مجھے سب سے پہلے

اپنی جانب جلب کیا وہ انکا اخلاص تھا۔ جہاں خلوص ہو وہاں تمام پردے اور

رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ میں بابائی کو اتنا چاہتا تھا کہ میں اس بات کیلئے

حاضر تھا کہ میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں لیکن بابائی پر ایک خراش بھی نہ آئے۔

انکی انتظامی صلاحیت بھی بہت زبردست تھی۔ وہ انتہائی نابغہ افراد کو فوجی آپریشن کیلئے منتخب کرتے تھے۔ ایسے افراد جو آج بھی فضائی فوج کی خدمت کر رہے ہیں۔

ایک قہر آمیز نگاہ کے ساتھ تنبیہ کرنا انکی خصوصیت تھی۔ ایسی نگاہ کہ آدمی کو محسوس ہو کہ سالہا سال جیل میں رہا ہے۔ لیکن انتہائی غصہ کے باوجود وہ "میرے بھائی" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

لوگوں اور حکومت کے لئے انتہائی درد مند تھے، انتہائی وقت شناس تھے۔

انکا ہر کام خدا کیلئے تھا اور وہ اپنے ہر کام کو سچائی اور پاکیزگی کے ساتھ

انجام دیتے تھے۔ امام خمینی کے حقیقی شاگرد اور پیرو کار تھے۔ عباس نے اخلاص امام سے ہی سیکھا تھا۔ ائمہ اطہار کے عاشق، قرآن کے دلدادہ تھے۔

میری نگاہ میں عباس کا ۹۹ فی صد وجود اخلاص تھا۔ انکی انقلابی انتظامی کارکردگی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی انتظامی کارکردگی جسکا ایک بڑا حصہ الہام پر مشتمل ہوتا تھا۔

شہید بابائی جمہوری اسلامیہ کی فضائی فوج کے سب سے بڑے مفکر تھے۔ انکے فیصلوں میں بہت قاطعیت اور پختگی ہوتی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جہازوں کے رات میں اڑنے سے انرجی کا خرچ زیادہ ہے اور فائدہ بھی کم ہے تو حکم دیدیا کہ رات کی اڑان بند کردی جائے۔

'رعد' کی پلاننگ بہت پہلے سے انہوں نے کررکھی تھی۔ اس سلسلہ میں انکی مخالفت بھی بہت ہوئی لیکن انہوں نے تمام مخالفتوں اور سختیوں

کو دفاع مقدس کی خاطر برداشت کرلیا۔ایک انتہائی غیر معمولی کام تھا۔
اب تک ہماری ۹۸ فیصد اڑانیں دشمن کا نشانہ بن جاتی تھیں لیکن وہاں
سے ۳۰۰ پروازیں ہوئیں بغیر کسی حادثہ کے۔ F14 کے ذریعہ لاف
بامنگ بھی انکی ہی خلاقیت تھی۔

میں نے عباس کا ایک ایسا رخ بھی دیکھا ہے جسے آج تک بھول
نہیں سکا ہوں۔ ۲۲ فروردین ۱۳٦۵ کو ہمارے فوجی شلمچہ میں آپریشن
پر تھے۔ میں ہوائی جہاز میں تھا۔میں نے اوپر سے دیکھا کہ وہاں کے
میدان میں بغیر کسی محفوظ جگہ کے ہمارے سپاہی پھیلے ہوئے ہیں اور عراقی
فوج ان پر آسانی کے ساتھ بمباری کررہی ہے۔ جب چھاؤنی واپس آیا تو
ایک گوشہ میں بیٹھ کر رونے لگا۔عباس تیزی کے ساتھ میرے پاس آئے
اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ میں نے کہا کہ ہمارے بچوں کا قتل عام ہورہا ہے۔ مجھ

سے کہیں زیادہ اسکی حالت منقلب ہو گئی۔ چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ مجھ سے کہا کہ جلدی سے لازمی اقدامات انجام دو۔ خود باہر چلے گئے۔

وہ آخری روز و شب جب میں بریگیڈ ئیر بابائی سے خداحافظی کر رہا تھا اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ آج بھی جب اس خداحافظی کو یاد کرتا ہوں تو آنسوؤں کو نہیں روک پاتا۔

(بریگیڈ ئیر پائلٹ حبیب بقائی)

ائمہ ان کے آئیڈیل تھے

میری نگاہ میں ابو کی ہر اخلاقی اور اجتماعی خصوصیت قابل توجہ تھی اور ہے۔ ان تمام خصوصیات کی بنیاد آیات، احادیث اور معصومین کی زندگی اور انکا کردار ہے۔

میرے لئے یہ کام بہت مشکل ہے کہ میں بالکل انکی طرح بن جاؤں ۔اس کیلئے مجھے اپنے آپ سے مقابلہ کرنا ہوگا تاکہ ابو کی ان خصوصیات تک پہنچ سکوں۔

بہت سے لوگ میرے اوپر رشک کرتے ہیں کہ میں بریگیڈیئر پائلٹ شہید بابائی کی بیٹی ہوں لیکن میری نگاہ میں ہر آدمی کی اپنی مستقل ایک شخصیت ہونی چاہئے۔ میں اگر ہر کام اور ہر موقع پر ابو کی شخصیت سے

فائدہ اٹھاؤں تو یہ صحیح نہیں ہے۔اسلئے میری کوشش یہ ہے کہ لوگ مجھے میری خصوصیات اور میرے اخلاق کی وجہ سے جانیں اور پہچانیں۔

اگرچہ میری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے ابو ناراض ہو جائیں لیکن اگر کبھی ایسا ہو جاتا تھا تو انکا تنبیہ کا طریقہ بہت نرالا تھا۔ کبھی بھی ہماری ناراضگی ۵ منٹ سے زیادہ نہیں رہتی تھی۔

ابو ہمارے پاس زیادہ نہیں رہ پاتے تھے۔جب ملاقات ہوتی تھی تو عام طور پر رات ہو جاتی تھی اور میں جلدی ہی سو جاتی تھی۔ صبح وہ مجھے نماز کے لئے اٹھاتے تھے اور پھر اس کے بعد ہم دونوں مل کر قرآن پڑھتے تھے۔

میں جو کہ انکی بیٹی ہوں جب انکے بارے میں لکھی گئی کتابیں اور واقعات پڑھتی ہوں تو بہت متاثر ہوتی ہوں۔اگرچہ ہر آدمی غلطی کرتا ہے اور میرے ابو بھی آخر ایک انسان ہی تھے لیکن ایک ایسے باپ کی بیٹی

ہونے پر مجھے فخر ہے۔

وہ ایک ایسے سماج میں زندگی گزار رہے تھے کہ جہاں پر زیادہ تر لوگ عیش و عشرت کی زندگی حاصل کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی ایسی زندگی گزار سکتے تھے لیکن انہوں نے سادی زندگی کو ترجیح دی کیونکہ انہوں نے واقعاً اپنے نفس پر غلبہ کرر کھا تھا۔

انہوں نے انتہائی سادی زندگی گزاری اور خود کو ہمیشہ معمولی عہدیداروں اور عوام کے برابر رکھا جبکہ اس وقت فضائی فوج میں عہدہ ملنا لوگوں کے باعث افتخار ہوا کرتا تھا۔

انکی شہادت سے اس طرح باخبر ہوئی کہ انکے ایک دوست نے فون کر کے پوچھا کہ ابو کی کچھ خبر ہے۔ میں نے کہا: نہیں۔ اسکے فوراً بعد میں نے ابو کے آفس فون کیا اور ان کی خیریت معلوم کی۔ انکا جواب تھا کہ ہم

کو خبر ملی ہے کہ وہ زخمی ہو گئے ہیں۔ گھر والے بہت پریشان ہو گئے۔ دوبارہ فون کیا اس دفعہ کہا گیا کہ بارڈر پر گئے ہوئے ہیں۔ میری دادی نے فون ہاتھ میں لے لیا۔ وہ بہت ناراض ہوئیں اور سامنے والے کو قسم دی کہ اصلی ماجرا بتائے۔ تب ان لوگوں نے کہا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ وہ دن بہت برا دن تھا۔ پورے گھر میں نالہ و شیون برپا تھا۔

دنیا کی ہر ماں ایثار و فداکاری کرتی ہے لیکن میری ماں مجسم ایثار و فداکاری ہیں۔ میں نے ماں کی اس خصوصیت کو بہت نزدیک سے محسوس کیا ہے۔ ابو کے کامیابی حاصل کرنے میں میری ماں کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ کیونکہ ہر زوجہ اپنے شوہر کی زندگی کامیاب بنانے میں ایک بہت بڑا رول ادا کر سکتی ہے۔

ابو کی زندگی میں میں نے جو کچھ دیکھا اور کتابوں میں پڑھا اسکی بنیاد

پر کہہ سکتی ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا نمونہ ائمہ کی زندگی کو بنایا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آدمی انکی خاک پا تک بھی نہیں پہنچ سکتا لیکن انکے راستے پر تو چل سکتا ہے اور بابا نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت بھی جن لوگوں کا تمام ہم و غم شہدا کی راہ و روش کو جاری رکھنا ہے، وہ بہر حال دوسروں سے ممتاز ہیں۔

(سلما بابائی، شہید بابائی کی بیٹی)

دلوں کو جیت لیتا تھا...

میں ایران میں پائلٹ کی ٹریننگ ختم ہونے سے پہلے ہی شہید بابائی کو جانتا تھا کیونکہ پائلٹ کالج میں وہ بھی اسٹوڈنٹ تھے البتہ تھوڑا سینئر تھے۔ وہاں پر بھی انکی شخصیت نمایاں اور دوسروں سے ممتاز تھی۔ اس وقت وہ تقریباً ۲۰ سال کے تھے۔ یہ ایک ایسی عمر ہے جس میں بہت سے جوان سنجیدہ نہیں ہوتے ہیں لیکن انکا رہن سہن بالکل مختلف تھا اور وہ نماز، روزہ اور دیگر مذہبی امور کے پابند تھے۔ اسکی وجہ سے انکی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی۔ امریکا میں بھی ہم لوگ ایک ہی کالج میں ٹریننگ لے رہے تھے۔

مجھے انکی شخصیت بہت پسند تھی۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے بہت

اچھے دوست بن گئے تھے۔ میں نے انکی زندگی کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے اور ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ انکی زندگی کے بہت سے ایسے پہلو دیکھے ہیں جو انکی اندرونی شخصیت کی بخوبی عکاسی کرتے ہیں۔

میں اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ بہت سے امریکی انکی شخصیت دیکھ کر ثقافتی اعتبار سے خود کو احساس کمتری کا شکار پاتے تھے۔ مثلاً اس چھاؤنی کے کمانڈر سے انکی بہت اچھی دوستی تھی۔ وہ ان کو اتنا زیادہ مانتا تھا کہ اسکا کہنا تھا کہ رات دن جس وقت بھی تم چاہو میرے گھر آسکتے ہو۔ وہ کبھی کبھی کہتا تھا کہ تم لوگوں کے درمیان حیا بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ انکی ثقافت میں حیا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

ٹریننگ کے دوران تعلیمی اعتبار سے انہوں نے میری بہت مدد کی۔ انکی ٹریننگ مجھ سے ایک مہینہ پہلے ختم ہو گئی تھی اور وہ ایران لوٹ آئے تھے۔

•••

۸ سالہ دفاع مقدس کے دوران ہمیں بہت سے تاریخی فیصلے لینے پڑے۔ ہم لوگوں نے چونکہ امریکا میں بہت مہنگے وسائل وامکانات کے ساتھ ٹریننگ لی تھی اس لئے ہم تو یہی سمجھتے تھے ساری مشکلات صرف ٹکنولوجی کے ذریعہ ہی حل ہو سکتی ہیں لیکن عباس ایسے فیصلے لیتے تھے اور ایسی پلاننگ کرتے تھے جو ٹکنکل اعتبار سے بہت زبردست ہوتی تھی اور زیادہ خرچ والی بھی نہیں ہوتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ عباس جنگ میں بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ مثلاً ایک وقت ایسا تھا جب ہمارے پاس راڈار بہت اچھا نہیں تھا بہت سی ایسی جگہیں تھیں جہاں کی معلومات راڈار نہیں دے سکتا تھا مثلاً پہاڑوں کے درمیانی راستے۔ عراق چونکہ صحرائی علاقہ ہے توان لوگوں کے لئے بہت آسانی تھی کہ وہ اپنے صحرائی علاقے سے گذر کر ہمارے پہاڑی علاقے میں داخل ہو جائیں اور راڈار پر بھی ظاہر نہ

ہوں۔ اسکے بر عکس ہمارے لئے یہ مشکل تھی کہ ہم جیسے ہی اپنا پہاڑی علاقہ پار کر کے انکے صحرائی علاقے میں داخل ہوتے تھے بالکل دشمن کے سامنے ہوتے تھے اور ہم تک راڈار کی پہنچ بھی بہت آسانی کے ساتھ ہو جاتی تھی۔

اس مشکل کو حل کرنے کیلیئے عباس نے فیصلہ کیا کہ بارڈر کے ان حصوں پر جسے ہمارا راڈار نہیں کور کر پاتا ہے اپنے افراد کھڑے کئے جائیں جو ارتباطی وسائل کے ذریعہ وہاں پر آنے والے دشمن کی حرکات و سکنات کی ہر لمحہ خبر دیں۔ اس طرح جیسے ہی وہاں سے کوئی ہوائی جہاز گزرتا تھا وہاں پر موجود آدمی بعد والوں کو خبر کر دیتا تھا اور اس طرح حملہ کی زد سے بچنے اور اس کا مقابلہ کرنے کا امکان فراہم ہو جاتا تھا۔ یہ عباس کی خلاقیت تھی۔

جنگی میدان میں عباس کے اس طرح کے بہت سے کارنامے ہیں۔

•••

مثلاً تیل بردار کشتیوں کو عراق کے ہوائی حملوں سے بچانا اور وہ بھی کم خرچ پر عباس کا ہی کارنامہ تھا۔

جنگی میدان سے ہٹ کر اجتماعی زندگی میں بھی عباس نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔ میرے گھر آکر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہنا انکا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

انکی ایک خصوصیت جو بہت اہم تھی اور جسے آج بہت سے لوگ بھول چکے ہیں وہ اسراف سے نفرت تھی۔ مثلاً جب ہمارے ساتھ کھانا کھاتے اور کھانے کے وقت انہوں نے اگر آدھا گلاس پانی پیا ہے تو ناممکن تھا کہ وہ بقیہ پانی یوں ہی پھینک دیں بلکہ اسے گلدانوں میں ڈال دیتے تھے۔

عباس کی زندگی کے یہ پہلو میدان جنگ سے کہیں زیادہ پر کشش

ہیں۔ کیونکہ محاذ جنگ پر تو سبھی لوگ شجاعت و بہادری کے ساتھ ڈٹے رہے اور بہت سے لوگوں نے اپنی جان بھی قربان کر دی۔

کبھی کبھی ہمیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جس علاقے میں وہاں رات بھی جاگنا ہو گا۔ اس وقت ایسے وسائل بھی فراہم نہیں تھے جنمیں خود کو مشغول رکھ کر نیند روک سکتے یا کچھ کھا پی کر رات گزار دیتے۔ بابائی ہمیشہ قزوین سے سو ڈیڑھ سو سوکھی روٹی چادر میں لپیٹ کر لے آتے تھے اور ہم لوگ صبح تک بسکٹ کی مانند اسے چباتے رہتے تھے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ یہ کام وہی انسان انجام دے سکتا ہے جسکے دل میں شمع عشق روشن ہو، ورنہ انکے لئے کوئی ضروری نہیں تھا کہ اتنے بڑے عہدے کے باوجود وہ ان افراد کیلئے جنہیں رات بھر جاگنا ہے، دوسرے شہر سے روٹیاں لاد کر لائیں۔

کبھی کبھی جب ہم بیٹھ کر باتیں کرتے تھے تو انکا دل ان نوجوانوں میں لگا رہتا تھا جو محاذ جنگ پر دفاع میں مصروف ہوتے تھے۔ عباس کی دلی خواہش تھی کہ جو جوان محاذ جنگ پر ہیں انکی مشکلات حل ہوں۔ ایک بار تو میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہوا۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ عباس تم نے مجھے فون کرکے بلالیا مجھے گھر کے لئے کچھ راشن پانی لانا تھا لیکن تم نے فوراً بلایا تھا اس لئے کچھ بھی نہیں خرید سکا۔ اگر تم نے ایک گھنٹہ پہلے کہا ہوتا تو میں اتنی دیر میں انتظام کرلیتا۔ دوسرے دن گھر سے میرے پاس فون آیا کہ کہاں ہو؟ میں نے کہا: ڈیوٹی پر ہوں۔ گھر والوں نے کہا: پھر یہ سب سامان کہاں سے آگیا۔ ہم گھر پر نہیں تھے تو وہ پڑوس میں دے کر چلا گیا۔ اس رات میں نے عباس سے ماجرا پوچھا۔ پہلے تو انہوں نے بات کاٹ دی لیکن بعد میں بتایا کہ انکے ڈرائیور کو تہران جانا

تھا۔انہوں نے ڈرائیور سے کہہ کر سامان خریدوایااور میرے گھر تک پہنچا دیا۔

میرے علم میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے عباس کی شخصیت کی عظمت اور گہرائی کااندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ان چیزوں نے عباس کی شخصیت کو پرکشش بنادیا تھاکیونکہ انسان کی شخصیت اتنی ہی عظیم ہو گی جتناوہ انسانیت سے نزدیک ہو گاورنہ دشمن کے جہاز کو مار گرانا توایک فوجی پائلٹ کا فریضہ ہے۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن انسان کی انسانیت اس سے وابستہ نہیں ہے بلکہ انسانیت اسی محبت آمیز کردار سے وابستہ ہوتی ہے۔

عباس نے اپنی اولاد کی تربیت بہت اچھی کی اور اس سلسلہ میں انکی اہلیہ نے واقعاًانکی بہت مدد کی۔اگر وہ اتنی مشکلات نہ برداشت کرتیں توعباس کو یہ کامیابیاں نہ مل پاتیں۔ ورنہ اگر آدمی کو گھر کی جانب سے سکون نہ ہو تو

ناممکن ہے کہ وہ اتنے اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے۔

دوسرے افراد کو ایسی شخصیتوں کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے کیونکہ وطن، مکتب فکر اور ہدف و مقصد سے عشق انسان میں اتنی آسانی سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔

عباس کی زندگی میں بہت سے ایسے پہلو ہیں جنکے بارے میں ہمیں غور و فکر کرنا چاہئے، باریک بینی کے ساتھ انکے اعمال و کردار پر توجہ کرنی چاہئے اور انکی زندگی سے سبق لے کر ان اصولوں کو اپنی زندگی میں عملی بنانا چاہئے۔

(بریگیڈیئر پائلٹ روح الدین طالبی)

عام لوگوں میں گھلا ملا تھا...

۱۶.۲.۷۹ یعنی شاہ کے فرار کے ۲ دن بعد سارے پائلٹوں کو اکٹھا کیا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر شاہ کو ایران واپس بلایا جائے تو کون پائلٹ یہ کام کرنے کو تیار ہے۔ حزب اللہی جوانوں نے اپنے اعلیٰ عہدیداروں کو منفی جواب دیا۔ انکار کرنے والوں میں میں اور بابائی بھی تھے۔ اسکے بعد بعد ۸ فروری کو فضائی فوج نے امام خمینی کی بیعت کرلی اور ان سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔

جنگ کے دوران اس نے بہت بڑے کارنامے انجام دیئے۔ اس کے پاس کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن خدا پر توکل، دین پر مستحکم یقین، دینی واجبات کو انجام دینے اور امام خمینی پر اعتقاد کی وجہ سے وہ کامیاب رہا۔ امام

کا نام میں نے اس لئے لیا کیونکہ ۵۸ یا ۵۹ میں اسکو ایک خط ملتا ہے کہ کوئی ایک آدمی امام خمینی سے ملاقات کیلئے جا سکتا ہے۔ وہ پریشانی کے عالم میں میرے پاس آیا اور کہنے لگا: سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کسے بھیجوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم تو انجمن اسلامی کے ہیڈ بھی ہو بہتر ہے تم ہی چلے جاؤ۔ اور ہم سب نے دیکھا کہ امام سے ملاقات کرنے کے بعد اس میں بہت تبدیلی آگئی تھی۔

وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ پہلے میں خود عمل کروں گا بعد میں دوسروں سے کہوں گا۔اسی وجہ سے دفاع مقدس کے دوران سخت ترین اڑانیں اسی کی تھیں۔

امریکا نے کہا تھا کہ اگر ہم ایران سے چلے گئے تو ایران اپنے جہاز بھی استعمال نہیں کر سکے گا۔ لیکن بابائی جب کمانڈر ہوا تو اس نے جوانوں میں خوداعتمادی بھر دی۔ اس نے بتایا کہ ہمیں اپنی شخصیت کو مستقل سمجھنا

چاہئے۔ جیسا کہ امام خمینی نے کہا تھا کہ شاہ کے زمانے میں ہم افسر، نوکر اور فوجی بن کر خدمت کر رہے تھے لیکن ہم نے اپنے آپ کو کھو دیا تھا۔ اس لئے ہمیں خود اپنا مالک بننا چاہئے۔ امام خمینی نے ایک ایسے انقلاب کو سامنے رکھا۔ اور عباس نے چھاؤنی میں آکر انکی اسی خواہش کو مجسم کر دیا۔

اگر آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ بابائی زندہ ہے تو یہ اسکے کردار کی وجہ سے ہے۔ انسانوں کی ایک معین زندگی ہوتی ہے ولادت، بلوغ، شادی، نوکری، رٹائرمنٹ اور موت لیکن کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس معین زندگی نامہ میں خود سے تبدیلیاں کرتے ہیں۔

بابائی کی شخصیت کا کمال یہ تھا کہ اس نے اپنی جوانی کا ایک دور امریکا میں گزارا تھا جہاں ساری کوشش ہی یہی تھی کہ انسان کے اندر سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کو ختم کر دیا جائے۔

شہید مطہری نے حر کی شخصیت کے بارے میں کہا ہے کہ ۹ محرم اور ۱۰ محرم کے حر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ۹ محرم کا حر بھی نماز پڑھ رہا تھا، خدا، پیغمبر اور قرآن پر اس کا ایمان تھا اور ۱۰ محرم کو بھی۔ لیکن ۱۰ محرم کے حر میں ایک چیز کا فرق تھا اور وہ یہ کہ اس دن حر نے کچھ دیر غور و فکر کے بعد یہ سمجھ لیا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو لافانی ہے۔ اسلئے حر نے اپنی لگام امام حسین کے ہاتھوں میں دیدی۔

بابائی شاہ کے دور میں بھی اپنے فرائض انجام دے رہا تھا لیکن اچانک امام آتے ہیں۔ سارا گرد و غبار بیٹھ جاتا ہے اور بابائی اور اس کے جیسے بہت سے افراد یہ سمجھ جاتے ہیں کہ واقعی رہبر یہی ہیں۔ اسی وجہ سے اگرچہ اس نے امریکا میں ہی ٹریننگ لی تھی لیکن امریکا کو ایسی کاری ضرب لگائی جسکے زخم آج بھی ہرے ہیں۔

جنگ جیسے جیسے بڑھتی جارہی تھی اسکا یقین و ایمان بڑھتا جارہا تھا۔ ہم وسائل کے اعتبار سے بہت کمزور تھے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ہم نے اپنے ساز و سامان کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کیا ہے تو یہ غلط ہے۔ ہمارے پاس صرف ۳ طرح کے جنگی جہاز تھے۔ F14, F5, F4۔ امریکا کے پاس سیکڑوں قسم کے جہاز تھے۔ کل ملا کر ہمارے پاس پانچ چھ سو ہوائی جہاز تھے۔ امریکا کے پاس ہمارے دس برابر تھے۔ لیکن جس چیز نے ہمیں انکے مقابلے میں لاکھڑا کیا اور پھر کامیابی بھی دی وہ ایمان تھا جسے امام خمینیؒ نے ہمارے دلوں میں راسخ کر دیا تھا۔ اگر ہم صرف جنگی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ ناممکن تھا کیونکہ اسکے لئے ہمیں ہر گھنٹہ پر ایک ہوائی جہاز بھیجنا پڑتا یعنی پورے دن میں ۲۴ جہاز۔ جو جہاز بھی جاتا تھا واپسی پر اسکے پرزے بدلنے ضروری ہوتی تھے۔ دنیا نے تو ہمارا

بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ہمیں پرزے نہیں دیئے جاتے تھے نتیجۃً خلاقیت کی بنیاد پر غیر ممکن ممکن ہو گیا یعنی ہم ایر لائن کے جہاز کی مانند جنگی جہاز سے ۱۲ گھنٹہ تک پرواز کرتے رہتے تھے۔ اسے خدا پر ایمان اور ولایت سے عشق نے ممکن بنادیا۔

دفاع مقدس کے دوران جو قیمتی تجربے ہمیں ملے وہ کسی بھی ملک کو کسی جنگ سے نہیں ملے کیونکہ عام طور پر جنگیں برابر کی ہوتی ہیں لیکن ہم تن تنہا پوری دنیا سے لڑے۔ یہ صرف اور صرف ایمان کی طاقت تھی جو آج بھی باقی ہے۔

۱۹۸۷ کے آخر میں اصفہان میں ہم نے ایک جہاز کو چک کرنے کیلئے اڑایا کہ اچانک سائرن کی آواز سنائی دی۔ میں ڈر گیا لیکن عباس نے کہا اگر تم کہو تو اس جہاز کی طرف چلیں؟ میں نے کہا اس میں میزائل نہیں

ہے اسکا تو صرف ٹسٹ کیا جارہا ہے۔ کہنے لگا وہ تو نہیں جانتا کہ ہمارے پاس کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ اس کے پاس چلتے ہیں خدا کچھ نہ کچھ کر دکھائے گا۔ ہم آگے بڑھے، جب اس نے دیکھا کہ F14 اس کی طرف آرہا ہے تو وہ فرار کر گیا۔

ہم لوگ شکاری ہوائی جہاز کو مارنے کی زیادہ کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ بمبار طیاروں پر حملہ کرتے تھے تاکہ ہمارے پاس جو کم وسائل ہیں ان کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

یہ سب خلاقیت کی وجہ سے تھا۔ خلاقیت سے میری مراد دینی اور شہادت طلبانہ خلاقیت ہے۔ یعنی موت کا مسئلہ ایران میں حل ہو چکا تھا۔ ایک ۱۸ سالہ جوان جو آپریشن پر نکلا ہے خود کو مائن پر گرا دیتا ہے۔ میں ایک پائلٹ ہونے کے اعتبار سے چھاؤنی ۸ میں جب ۱۳ سالہ لڑکے کو

کسی جنگی آپریشن میں دیکھتا تھا تو مجھے اپنے آپ سے شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔

بابائی سے ہم نے جب حج پر جانے کے لئے اصرار کیا تو اس نے کہا:

میرا کعبہ و کربلا یہیں ہے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں حج پر چلا جاؤں اور ہمارے جوان یہاں پر تڑپ تڑپ کر جان دیتے رہیں۔

(بریگیڈیئر پائلٹ داؤد عسکری فر)

اسنے اپنے پورے وجود کو محاذ جنگ کیلئے وقف کر دیا...

میں نے عباس بابائی کو اصفہان میں پہلی بار دیکھا۔ کسی میٹنگ میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ اور میں اس انسان کی مسحور کن شخصیت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ میرے خیال سے سبھی افسر اس سے متاثر تھے۔

بابائی اپنی زندگی میں نظم وضبط کا بہت پابند تھا۔ اسکی زندگی میں بے نظمی کہیں بھی نہیں تھی اور یہی سب سے چاہتا تھا کہ ہر ذمہ دار فرد نظم و ضبط کی رعایت کرے۔ میں نے اپنی عمر میں بہت سے ذمہ دار افراد کو دیکھا ہے لیکن بابائی کا نظم وضبط غیر معمولی تھا۔

دوسری خصوصیت اسکی یہ تھی وہ محاذ جنگ کو ایک ڈیوٹی نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے محاذ جنگ سے عشق تھا۔ محاذ جنگ اسکی روح میں سرایت

کر چکا تھا۔ بعض اوقات اس سے کہا جاتا تھا کہ تم کمانڈر ہو تمہارے لئے مناسب نہیں ہے کہ خود محاذ پر جاؤ تو اسکا جواب ہوتا تھا کہ اگر میں جاؤں گا تو دوسرے بھی آئیں گے۔ یہاں میز پر بیٹھ کر دوسرے افراد کو حکم دینے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ حج پر نہیں گیا کیونکہ اسکا کہنا تھا کہ اس وقت جنگ زیادہ واجب ہے۔ میں بارڈر نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔

وہ ہمیشہ اونچے عہدوں پر تھا لیکن میٹنگ کے علاوہ جہاں ڈریس پہننا ضروری ہوتا تھا کبھی بھی پائلٹ کی یونیفارم میں نہیں آتا تھا بلکہ ہمیشہ بسیجیوں کے سادے لباس میں۔ اس کے مد نظر امام سجاد کی یہ دعا تھی کہ خدایا! دوسروں کی نگاہ میں تو نے مجھے جتنا عظیم بنا دیا ہے اتنا ہی اپنی نگاہ میں حقیر اور چھوٹا بنا دے۔ یہ صفت واقعاً اس کے اندر موجود تھی۔ ایسے افراد جہاں کہاں بھی رہیں اپنے اس ایمان واعتقاد کو محفوظ رکھتے ہیں۔ مجھے

معلوم ہے کہ آج بھی ہماری فوج میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے بابائی کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔اس سے سیکھااور آج اسی کی مانند رہ رہے ہیں۔

(حسین رضائی، حج وزیارت کمیٹی کے سابق صدر)

عباس خود کو دشمن کے حملے کی زد میں لاتا تھا

ایک جنگی آپریشن کے دوران میں عباس کے ساتھ خلیج فارس پر جہاز اڑا رہا تھا۔ اس دن ہمیں تیل بردار اور تجارتی کشتیوں کو انٹر نیشنل علاقے تک اسکورٹ کرنا تھا۔ خبروں کے مطابق دشمن کا ارادہ تھا کہ وہ اس کارواں پر حملہ کرے۔ اس وجہ سے بہت نازک اور خطرناک حالات تھے۔ عباس کی پلاننگ کے مطابق ۱۰ شکاری ہوائی جہاز اور دو دو F14 خلیج فارس پر رہیں تاکہ کارواں دشمن کے حملے سے محفوظ رہے۔ میرا اور عباس کا جہاز ایک ساتھ تھا۔

ہمارا کام شروع ہو چکا تھا۔ دشمن کے ہوائی جہاز فرصت کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح حملہ شروع کریں۔ عباس نے مجھ سے کہا کہ مجھے یقین

ہے کہ حملہ ہوگا اس لئے ایک دم تیار رہو ہمیں خالی ہاتھ نہیں لوٹنا ہے۔

اس کے بعد یہ طے پایا کہ ہم ریڈیو پر کوئی بات نہ کریں تاکہ دشمن کو ہماری کسی حرکت کی کوئی خبر نہ ہو۔ ہم بالکل نچلی سطح پر جہاز اڑا رہے تھے۔ ہماری پوری توجہ ریڈیو پر تھی تاکہ ہمیں اس علاقے کی صورتحال کا علم ہوسکے۔ کچھ دیر بعد ریڈیو نے اعلان کیا کہ ۲ جنگی جہاز کویت کی طرف جارہے ہیں۔ میں اور عباس ایک دوسرے کے برابر میں ایک ہی اسپیڈ کے ساتھ جہاز چلا رہے تھے۔ ہم دونوں آرام سے کیبن کے ذریعہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ عباس نے اشارہ کیا کہ پیغام مل چکا ہے اب ہمیں انکی طرف چلنا چاہئے۔ اسکے بعد ہم چل دیئے کویت سے ۵۰ میل کا فاصلہ بچا تھا۔

ہوائی جہاز کے راڈار پر میں نے دیکھا کہ ان دونوں جہازوں نے ایک

راؤنڈ لگایا۔ ہم اور عباس ایک دوسرے کو کیبن سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس سے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا: کیا کیا جائے؟ عباس نے پیغام دیا: میں خود کو دشمن کا نشانہ بنا کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ دشمن کے جہاز کو اپنے پیچھے پیچھے لے آؤں گا۔ پھر تیزی کے ساتھ مجھ سے دور ہو گیا۔ اس نے جنگی مشق کی مانند جہاز اڑا کر دشمن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور انہیں اپنے ساتھ ساتھ کھینچ لایا۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جب دشمن کا ہوائی جہاز میری میزائل کی بالکل سیدھ میں تھا لیکن میں عباس کی طرف سے فکر مند تھا اور دعا کر رہا تھا کہ وہ صحیح موقع پر اقدام کرے تاکہ میں دشمن کے جہاز پر حملہ کر سکوں۔ وہ لمحات بہت مشکل سے کٹ رہے تھے اور عباس کی طرف سے میری پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ خود پر کنٹرول رکھوں۔ راڈار پر دیکھا کہ عباس کا ہوائی جہاز

دشمن کی بالکل زد میں ہے۔ اچانک دشمن کا ایک جہاز عباس سے قریب ہو گیا۔ حالات کو مکمل طور پر پرکھنے کے بعد میں دشمن کی طرف میزائل چلادی۔ میں نے دشمن کے جہاز کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک عباس نے خطرناک طریقہ سے جہاز چلاتے ہوئے اپنا راستہ بدل دیا اور نچلی سطح پر آگیا۔ اب میرا میزائل دشمن کے جہاز سے ٹکرایا۔ ایک شعلہ بلند ہوا اور دھوئیں کے بیچ وہ جہاز ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب ریڈیو پر عباس کی آواز گونج رہی تھی:

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

اسکی آواز سن کر خوش ہوا اور میں نے کہا: عباس کچھ معلوم ہے کیا کر دکھایا تم نے۔

عباس نے کہا: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ میں نے کچھ بھی

نہیں کیا جو کچھ کیا ہے خدا نے کیا۔

اس دن عباس کی جرأت کی وجہ سے ہمارا آپریشن کامیاب رہا اور کشتیاں پار ہو گئیں۔ میں اس دن کی کامیابی کو عباس کے خدا پر توکل کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ وہ انتہائی بحرانی حالات میں بھی خدا کو نہیں بھولتا تھا اور اسی یاد نے اسے یہ جرأت دے رکھی تھی کہ وہ اتنے خطرناک قسم کے کام کر دکھاتا تھا۔

(کرنل پائلٹ فضل اللہ جاوید نیا کی زبانی)

آئیڈیئل شخصیت...

ایک بار میں نے اپنی چھاؤنی میں ہال کے ایک کونے سے رونے کی آواز سنی۔ میں پاس میں گیا تو دیکھا کہ شہید بابائی تھے۔

شہید بابائی کی کوشش ہوتی تھی کہ انکی عبادتیں بھی ظاہر نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ فوج کے ہوائی آپریشنوں میں انکے کئے گئے کام کیسے ظاہر ہو سکتے تھے۔

اپنے کاموں میں انہیں مذہبی آدمیوں سے بہت دلچسپی تھی البتہ جو لوگ مذہبی نہیں تھے ان سے شہید کا رویہ بہت دوستانہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایک پائلٹ تھا جو نہیں چاہتا تھا کہ جنگی جہازوں کو اڑائے بابائی نے مجھے اسکے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ بابائی کو تم سے کام ہے۔

اس وقت کچھ ایسے حالات تھے کہ چونکہ شہید بابائی ایک نیک اور دیندار انسان تھے کچھ لوگ ان سے اچھی طرح نہیں ملتے تھے یا ان سے ملنا ہی نہیں چاہتے تھے کیونکہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت سختی کرنے والے آدمی ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ میں پائلٹ کے گھر گیا اور اس سے کہا کرنل بابائی آپ سے ملنا چاہتے ہیں تو اس نے کہہ دیا کہ کہہ دو میں نہیں ہوں۔ میں نے بھی ان سے بتا دیا کہ ظاہراً انکے یہاں کوئی مہمان ہے اس لئے وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتے ہیں۔ بابائی خود اس کے گھر گئے اور اس طرح اس کا دل جیت لیا کہ وہ پھر سے فوج میں لوٹ آیا۔

جنگ کے دوران خدا کی دی ہوئی فکر اور سوجھ بوجھ کی وجہ سے وہ حلال مشکلات تھے صرف جنگی حالات کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ذاتی طور پر ایسے ہی تھے۔ انہوں نے جنگ کے دوران بہت مشکلات برداشت کیں،

بہت زحمتیں اٹھائیں اگر وہ شہید نہ ہوتے تو انکے حق میں ظلم ہوتا کیونکہ واقعاً وہ اس شہادت کے مستحق تھے۔

البتہ شہادت کی وجہ سے ہم نے انہیں کھویا نہیں ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ در حقیقت انہیں پالیا ہے کیونکہ آج بھی جب ہمارے عہدیدار ہوائی فوج میں کسی کی مثال دینا چاہتے ہیں تو شہید بابائی کا نام سر فہرست ہوتا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتے شاید ان پر اتنی توجہ نہ ہوتی لیکن آج ہم انکے کردار اور رہن سہن میں غور و فکر کرتے ہیں تو واقعاً انہیں ایک ایسا انسان پاتے ہیں جو بہت سے جوانوں کیلئے آئیڈئیل بن سکتا ہے۔

جنگ کے دوران وہ شہید ہو گئے تو یقیناً خدا انہیں اجر دینا چاہتا تھا نہ یہ کہ ہم نے انہیں کھو دیا ہو۔ آج انکی شہادت کے باوجود فکر بابائی زندہ ہے جس نے بہت سے بابائی پیدا کئے ہیں۔ آج اتنے سالوں کے بعد بھی انکا

زاویہ فکر اور انکی خلاقیت کے نمونے فضائی فوج کے لئے مشعل راہ ہیں۔

(میجر علی اصغر نظری)

میں انہیں گاڑیوں کا دلال سمجھتا تھا...

[شہید بابائی کی انسان دوستی انکی شخصیت کا ایک اہم گوشہ تھا۔ انکے جذبہ سخاوت کی وجہ سے سبھی لوگ انکے ارد گرد اکٹھا رہتے تھے۔ ذیل میں ایک واقعہ کے ذریعہ انکی شخصیت کے ایک اور پہلو سے واقف ہوتے ہیں۔]

سب سے پہلے تو میں یہ بات بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے شہید بابائی کو یہ قول دیا تھا کہ انکی زندگی میں کسی سے یہ بات نہیں بتاؤں گا لیکن آج اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں کہ انکی شخصیت کے پوشیدہ پہلو کو اجاگر کرنے کیلئے یہ واقعہ بتاؤں۔

میں نے شہید بابائی کو پہلی بار دزفول میں دیکھا تھا اور اس وقت ان سے ایک سرسری سی ملاقات تھی۔ یہاں تک کہ میں اصفہان کی چھاؤنی

میں منتقل ہو گیا۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کا ایک سال گزر چکا تھا اور میں بٹالین ۸۲ میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ جب بھی مجھے دکھتے تھے میری اور میرے گھر والوں کی خیریت ضرور پوچھتے تھے۔ شہید بابائی اسوقت کیپٹن کی حیثیت سے بٹالین کے ایک پائلٹ تھے۔ ایک دن آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد میں آفس میں ہی بیٹھا ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ مختلف مشکلات من جملہ آمد ورفت کی سختی اور گاڑی نہ ہونے کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ ان دنوں چھاؤنی تک آنے کے لئے سرکاری بسوں سے چلنا پڑتا تھا۔ میری کل تنخواہ ۱۰ ہزار تومان تھی جس میں گاڑی خرید پانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر کہیں قسطی گاڑی ملے تو مجھے بتائیں۔ اس بات کے کئی دن گزر گئے۔ ایک دن کیپٹن

بابائی میرے پاس آئے اور خیریت پوچھنے کے بعد کہا:

اگر تمہیں کوئی کام نہ ہو تو آؤ ساتھ میں چائے پیتے ہیں۔

بات کرتے کرتے انہوں نے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم گاڑی خریدنے جا رہے ہیں۔

کیپٹن صاحب! ہم کہاں اور گاڑی کہاں۔ اس تنخواہ میں گاڑی کہاں سے آسکتی ہے۔

کہنے لگے: خدا بہت بڑا ہے۔ ان شاء اللہ تمہاری مشکل دور ہو جائیگی۔

اسکے بعد مجھے دیکھتے ہوئے کہا: تمہیں جو گاڑی پسند ہو دیکھ لو باقی کا کام میرا ہے۔

میں انکی باتوں کو صرف رسمی سمجھ رہا تھا اسلئے میں نے اسکے بارے

میں سنجید گی سے نہیں سوچا۔ ایک ہفتہ کے بعد گھر کی گھنٹی بجی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ کیپٹن بابائی کھڑے ہوئے ہیں :

کہنے لگے: دیکھو یہ گاڑی تمہیں پسند ہے۔

باہر گیا تو دیکھا کہ پژو ٤٠٥ جو تقریباً نئی تھی، گھر کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ کچھ کہوں انہوں نے کہا :

گاڑی بالکل صحیح سالم ہے لیکن اسکی قیمت ٦٥ ہزار تومان ہے۔

میں نے کہا: کیپٹن صاحب! گاڑی تو اچھی ہے لیکن میں اسے خرید نہیں پاؤں گا۔

انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ خداحافظی کرنے کے بعد گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔ ایک ہفتہ بعد ایک 'پیکان' لے کر گھر پر آگئے اور کہنے لگے:

یہ صرف ٦ مہینہ چلی ہے بالکل نئی سمجھو۔ اسکی قیمت ٤٢ ہزار تومان ہے

اور مناسب بھی ہے۔ میرے ایک دوست کی ہے۔ اگر تمہیں پسند ہو تو کل رجسٹری آفس چلا جائے۔

میں نے گاڑی کو غور سے دیکھا۔ قیمت کے حساب سے گاڑی بہت اچھی تھی۔ بابائی نے چابی مجھے دی اور کہا کہ چلا کر اطمینان حاصل کر لو۔

گاڑی چلا کر جب میں مطمئن ہو گیا تو میں نے کہا: گاڑی تو ہر لحاظ سے اچھی ہے، صرف...

انہوں نے میری بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا: مجھے معلوم ہے کیا کہنا چاہتے ہو۔ پیسہ کی بالکل فکر نہ کرو۔

پھر کہا: کتنا پیسہ ہے تمہارے پاس۔

میں نے کہا: ۱۵ ہزار تومان۔

۱۰ ہزار تومان مجھ سے لئے اور کہا: کل تیار رہنا میں آؤں گا ساتھ

میں رجسٹری آفس چلتے ہیں۔

رات کو میں سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بابائی گاڑیوں کا دلال ہے اور یہ چاہتا ہے کہ گاڑی کا پورا پیسہ ادا کر کے اس سے فائدہ اٹھائے یا پھر ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی اچھا گاہک نہ ملا ہو اور مجھے پھنسا رہا ہو۔

رات گذر گئی اور صبح میں کیپٹن بابائی اور اس گاڑی کے مالک کے ساتھ رجسٹری آفس چلا گیا۔ ابتدائی کام پورے گئے۔ ہم منتظر تھے کہ گاڑی بیچنے اور خریدنے والے کا نام پکارا جائے۔ اسی وقت شہید بابائی نے مجھ سے کہا کہ مجھے کام سے جانا ہے تم بقیہ کام پورے کر لو۔

پھر میرے نزدیک آ کر آہستہ سے میرے کان میں کہا: تمہیں صرف رجسٹری کا پیسہ دینا ہے۔ باقی کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ میں سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ پھر سے ان سے گاڑی کی قیمت کے بارے میں سوال

کروں یا نہیں ؟انکے جانے کے ۱۰ منٹ بعد ہم لوگوں کو بلایا گیا۔

رجسٹری کرنے والے نے گاڑی کے مالک سے پوچھا: تمہیں گاڑی کی مکمل قیمت مل گئی ہے ؟

اس نے کہا: ہاں

جواب سن کر میں نے سکون کی سانس لی۔

میں نے بھی پیپر پر دستخط کر دیئے۔ آفس سے باہر آ رہا تھا کہ بابائی آگئے اور پوچھا: سب کام ختم ہو گیا۔

میں نے کہا: ہاں

گاڑی کے مالک نے چابی مجھے دی اور خدا حافظی کر کے چلا گیا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور ہم لوگ چھاؤنی کی طرف چل دیئے۔

میں اسی سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ گاڑی کا پیسہ کیسے ادا کروں گا؟ تبھی بابائی کی

آواز نے مجھے چونکادیا:

پیسہ کے بارے میں مت سوچو۔ تمہاری تنخواہ میں سے جب بھی کچھ بچے توبقیہ پیسے مجھے دیدینا۔ صرف اتنی گزارش ہے کہ یہ بات کسی سے بتانا نہیں۔

شہید بابائی کی باتیں سننے کے بعد میں اب تک انہیں جو کچھ سمجھ رہا تھا، اسے سوچ کر مجھے اپنے آپ سے شرم آرہی تھی۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ اس عظیم انسان کی عظمت، بزرگی اور سخاوت کے آگے کچھ بولنے کیلئے الفاظ نہیں ہیں۔

جب ہم شہید بابائی کے گھر کے پاس پہنچ گئے تو میں نے ان سے کہا:

رکئے۔ میں آپکو ضمانت کے طور پر کوئی چیز یا پھر چِک دیدیتاہوں۔

وہ ہنس کر کہنے لگے: ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہاری تنخواہ میں سے جب بھی کچھ پیسہ بچے مجھے دیدینا۔ اوراس کے علاوہ جب بھی تمہیں پیسہ کی ضرورت ہو تو ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس چلے آنا۔

اسکے بعد وہ خداحافظی کر کے چلے گئے۔ میں اس شرافت اور جواں مردی کو دیکھ کر حیرت زدہ کھڑا ہوا تھا۔ میرے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ ۱۰ ہزار تومان میں ایک اچھی گاڑی کا مالک بن گیا ہوں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح انکا شکریہ ادا کروں۔ آخر کار ۲ سال کے اندر اندر میں نے اپنا پورا قرض ادا کر دیا۔

(لفٹننٹ قلہکی)

یہ تمہاری شادی کا تحفہ ہے

[مرحوم شہید عباس بابائی کی سادی اور بے لاگ زندگی کی وجہ سے جو بھی انکے نزدیک ہوتا تھا انکی مسحور کن شخصیت کی جانب کھنچتا چلا جاتا تھا وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ذیل میں انکے دوست کی زبانی ایک واقعہ پیش کیا جارہا ہے]

۱۹۷۱ کی شروعات میں فضائی سنٹر کی انگلش اسپینگ کلاسوں میں شرکت کررہا تھااور کلاس کا مانیٹر بھی میں ہی تھا۔کلاس شروع ہونے کے کچھ دن بعد ایک نیا طالب علم کلاس میں شامل ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا نام عباس بابائی ہے۔کلاس کے رول فوج کے مطابق ہوتے تھے کہ جسکا عہدہ فوجی اعتبار سے اونچا ہے وہی ہیڈ بن سکتا ہے۔اور وہ عہدے میں مجھ سے بڑا تھااس لئے فطری سی بات تھی کہ وہ مجھ پر اعتراض کرے یاکم سے کم میری بات نہ مانے لیکن سب کی توقعات کے برخلاف وہ بالکل

دوسروں کی مانند میں جو کچھ میں کہتا تھا انجام دیتا تھا۔

مانیٹر کی ایک ذمہ داری یہ تھی کہ ہر روز کلاس کے بعد ایک شاگرد کی فائل کلاس کی صفائی کیلیئے بلڈنگ کے انچارج کو دے دیتا تھا۔ اس دن بابائی کا نمبر تھا۔ میں تو ابھی تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ عباس کی خاموشی مجھے متوجہ کرنے کیلیئے ہے لیکن میرے اس کام سے اسے بہت غصہ آئے گا اور وہ مجھ سے رو در رو بات کرنے پر آمادہ ہو جائیگا۔ میں پریشانی کے ساتھ اسکے پاس گیا اور اس سے اسکی فائل مانگی۔ اس نے بہت آرام سے اپنی فائل مجھے دیدی۔

جب میں نے اسکی فائل انچارج کو دی تو انہوں نے بہت تعجب سے تیز آواز میں پوچھا: اسکا عہدہ تو تم سے بڑا ہے۔

میں نے کہا: جی انہوں نے غصہ سے کہا: تو جب وہ کلاس میں ہے

تو تم کیوں مانیٹر ہو؟ جلدی سے جا کر اس سے جھاڑو لو اور خود کلاس کی صفائی کرو۔ کل سے وہ کلاس مانیٹر ہے نہ کہ تم۔

میں کلاس میں لوٹ آیا۔ میں نے دیکھا کہ بابائی صفائی کر رہا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اسکے ہاتھ سے جھاڑو لے لوں لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور کہنے لگا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟

میں نے واپس آکر انچارج کو ساری بات بتائی۔ وہ بغیر کچھ کہے کلاس کی طرف چل دیئے۔ عباس صفائی میں مشغول تھا۔ انچارج نے بہت احترام کے ساتھ اس سے سارا ماجرا پوچھا اور جب اسے صفائی سے نہیں روک سکے تو کہنے لگے: قانون کے مطابق تمہیں مانیٹر ہونا چاہیئے۔

عباس نے مسکراتے ہوئے کہا: لیکن مجھے انکی مانیٹری منظور ہے لہٰذا میں تو یہی چاہوں گا کہ یہ مانیٹر رہیں نہ کہ میں۔

انہوں نے بہت کوشش کی لیکن عباس کو قانع نہیں کر سکے۔ وہ دن گذر گیا۔ اگلے دن قانون کے مطابق مجھے کلاس کی مانیٹری عباس کے حوالہ کرنا تھی۔ میں نے اس سے متعدد بار کہا لیکن اسنے قبول نہیں کیا اور کہنے لگا: کیونکہ کلاس کی شروعات سے تم مانیٹر ہو اسلئے آخر تک تم ہی مانیٹر رہو اور میری خواہش یہ ہے کہ آئندہ اس موضوع پر کوئی بات نہ کرنا۔

عباس کی بے تکلفی نے مجھے متأثر کیا تھا۔ عباس کا وہ رد عمل میرے لئے باعث تعجب تھا لیکن بعد میں جب میں نے اسے نزدیک سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اسکی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ اپنے نفس کو کسی کام میں دخالت نہ دینے دے اور اس دن مانیٹر نہ بننے کی وجہ بھی یہی تھی۔ اس دن کے بعد سے میری اور عباس کی دوستی شروع ہو گئی۔ ایک دن انٹرول میں وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے پوچھا: نماز پڑھتے ہو؟

کبھی کبھی

قرآن کتنا یاد ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

چاہتے ہو کہ میں تمہیں قرآن کی کچھ آیتیں سکھاؤں جنہیں "آیت الکرسی" کہا جاتا ہے؟

اسکے بعد اسنے مجھے آیت الکرسی کی فضیلت بتائی۔ میں اسکی باتوں کو قبول کرنا نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اسی دن دوسرے انٹرول میں اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا قرآن نکال کر مجھے دکھایا اور کہا کہ دیکھوں قرآن پڑھ سکتے ہو؟

اس طرح انٹرول کے دوران وہ مجھے قرآن سکھاتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کلاس ۱۰ دن میں ختم ہو گیا تھا اور عباس کی کوششوں کی

وجہ سے میں نے آیت الکرسی، سورۃ واللیل اور شمس یاد کرلیا تھا۔ اب میری اور عباس کی دوستی بہت گہری ہوگئی تھی۔

اگلے دن کلاس میں ہماری ٹیچر ایک امریکی خاتون تھی۔ عباس نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگ سنٹر کے انچارج سے بات کرکے کسی ایسی کلاس میں چلے جائیں جہاں استاد کوئی مرد ہو۔ آخر کار عباس کے اصرار پر ہم لوگ اپنا کلاس بدلوانے میں کامیاب ہوگئے۔ انگلش کورس ختم کرنے کے بعد عباس پائلٹ کی ٹریننگ کیلئے امریکا چلا گیا۔ اسکے جانے سے میں بالکل تنہا ہوگیا تھا۔ کئی مہینے گذر گئے اور ۱۹۸۲ میں دزفول میں میری ڈیوٹی لگ گئی۔ عباس سے دوری میرے لئے بہت صبر آزما تھی اسی لئے اسکے رشتہ داروں کے پاس جاکر میں نے امریکا میں اسکا ایڈرس لیا۔ عباس کو میں نے خط لکھا اور اس خط میں اپنے احساسات بیان کرنے کے بعد اس

سے کہا کہ اپنی کوئی تصویر بھیج دے۔ اس نے مجھے جواب لکھا اور اپنی تصویر بھی بھیجی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اسکے والد کے پاس جاکر حضرت عباس کا نوحہ لے کر اسکے پاس بھیج دوں۔ جب تک عباس امریکا میں رہا ہم لوگوں میں خط وکتابت جاری رہی۔

مجھے ابھی بھی یاد ہے کہ ۱۳۵۲ کی گرمیوں کے دن تھے۔ شام کو ڈیوٹی سے لوٹ کر میں گھر میں لیٹا ہوا تھا کہ گھر کی بیل بجی میں دروازے پر گیا۔ مجھے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ عباس سامنے کھڑا ہے۔ وہ امریکا سے لوٹ آیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور گھر میں آگئے۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنا کورس مکمل کر چکا ہے اور اس وقت پائلٹ کی حیثیت سے ہماری چھاؤنی میں ہے۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ ایک بار اور عباس کے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

•••

گھر میں بہت گرمی تھی؛اسی وجہ سے عباس نے مجھ سے کہا :

عظیم تمہارا گھر اتنا گرم کیوں ہے؟

عباس! ہمارے پاس کولر تو ہے نہیں۔ ٹھنڈے ہونے کیلئے جا کر نہاتے ہیں اور پھر پنکھے کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھے لگا کہ عباس کو یہ بات اچھی نہیں لگی اس لئے میں نے بات بدل دی۔ اس رات دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے اور پھر وہ چلا گیا۔ اگلے دن میں نے دیکھا کہ عباس ایک کولر لئے ہوئے ہمارے گھر چلا آرہا ہے۔ کہنے لگا: معاف کرنا عظیم! یہ بہت معمولی سی چیز ہے۔ تمہاری شادی کے وقت میں یہاں پر نہیں تھا اس وقت کا تحفہ اب لے آیا ہوں۔

میں اور میری اہلیہ عباس کے اس تحفہ سے بہت خوش ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب عباس کی تنخواہ بہت زیادہ نہیں تھی اور مجھے

معلوم تھا کہ اس نے بہ مشکل یہ کولر مہیا کیا ہے۔

(لفٹننٹ عظیم دربند سری)

شادی شدہ فوجی اور گھریلو مشکلات

[شہید بابائی کے دوسروں کی مدد کرنے کے واقعات انکے جاننے والوں کے پاس اتنے زیادہ ہیں کہ جن میں سے سب کو نہیں لکھا جاسکتا۔ انکی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ ہر ممکن طریقہ سے دوسرے انکے وجود سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ ذیل کا واقعہ انکی اسی خصوصیت کو کسی حد تک بیان کر رہا ہے۔]

اس روز شام کے وقت ہمیشہ کی مانند جانمازیں بچھانے میں مشغول تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر بلند ہونے والی تلاوت قرآن کی آواز دلوں کو سکون عطا کر رہا تھی۔ میں منتظر تھا کہ مومنین نماز جماعت کے لئے مسجد میں آئیں۔ مسجد کے صحن میں آکر آب پاشی میں مشغول تھا کہ میری نگاہ مسجد کے گارڈ پر پڑی۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے رندھی ہوئی آواز میں: خدا آپکو سلامت رکھے بابا۔

میں نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنسو اسکے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ میں اٹھ کر اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

کوئی پریشانی ہے کیا؟

بابا! اپنی مشکل بتا کر سوائے آپکو پریشان کرنے کے کچھ اور تو ہو گا نہیں۔

بیٹا! ہم سب مسلمان ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی مشکلوں کی اطلاع رکھنی چاہئے اگرچہ ہم کوئی کام نہ بھی کر سکیں۔ اسلئے جلدی سی بتاؤ کم سے کم بتانے سے تمہارا دل ہلکا ہو جائیگا۔

اس جوان گارڈ نے اپنے آنسو ہاتھ سے صاف کئے اور کہا :

میری ایک بیوی اور ۲ بچے ہیں۔ ڈیوٹی پر آنے سے پہلے انکو اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ جب چھٹی ملی اور گھر لوٹا تو مجھے معلوم ہوا کہ

میری بیوی اور والدین کے درمیان کچھ کہا سنی ہو گئی ہے۔ میں نے کوشش کی کہ اس معاملہ کو کسی طرح ختم کر دوں لیکن تمام کوششوں کے باوجود کامیاب نہ ہو سکا۔ جب گذشتہ جمعہ کو گھر گیا تو دیکھا کہ گھر میں میری بیوی اور بچے نہیں ہیں۔ والدین مجھے دیکھ کر بالکل چپ چپ سے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ ماں نے مجھ سے کہا کہ وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔ میں نے بہت تعجب سے پوچھا: کیوں؟ کیا ہوا تھا؟

یہ بتاتے بتاتے وہ گارڈ رونے لگا۔ میں نے اسکا بازو تھام کر اسے تسلی دی اور کہا ہمت سے کام لو پوری بات تو بتاؤ۔

میری ماں نے کہا: رات تمہاری بیوی مجھ سے اور تمہارے ابا سے لڑنے جھگڑنے کے بعد بچوں کو لے کر چلی گئی۔ میں نے کہا: اس وقت وہ لوگ کہاں ہیں؟

کہنے لگیں: میں نہیں جانتی۔ میں انتہائی پریشانی اور اضطراب کے عالم میں گھر سے باہر نکل آیا اور بہت ڈھونڈنے کے بعد آخر کار وہ مجھ کو مل گئے۔ بابا! اسکے بعد سے اب تک ان کے سر پر کوئی سائبان نہیں ہے اور کھانا وغیرہ بھی بہت مشکل سے کھا پا رہے ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان حالات میں کس طرح ڈیوٹی کروں۔ اب زندگی سے تھک چکا ہوں۔ میں اپنے والدین کے لئے بھی پریشان ہوں اور اپنے بچوں کیلئے بھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں۔

اسکی باتیں سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں نے کہا:

بیٹا! تم مرد ہو۔ مرد کو ہمت و جرأت سے کام لینا چاہئے۔ تم چھاؤنی کے کمانڈر سے بات کر کے اپنی مشکل حل کر سکتے ہو۔

کوئی فائدہ نہیں ہے بابا! کوئی میری مدد نہیں کر سکتا ہے۔

نہیں بیٹا! ایسی باتیں مت کرو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ کرنل بابائی سے جو کچھ بھی ہو سکے گا تمہارے لئے کرے گا۔ میری نگاہ میں آج تک اس نے کسی بھی پریشان حال کو ناامید نہیں کیا ہے۔ وہ ابھی کچھ ہی دیر میں مسجد آئے گا۔ وہ جیسے ہی آئیگا میں تمہیں بتادوں گا۔

میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ تھوڑی دیر بعد بابائی مسجد میں آیا۔ میں فوراً ہی گارڈ کے پاس گیا اور اس سے کہا: بابائی آچکا ہے جا کر اس سے بات کرو۔

گارڈ نے میرا شکریہ ادا کیا اور مسجد کے اندر آگیا۔ کچھ دیر بعد واپس آگیا۔ میں نے کہا: کیا ہوا؟

وہ تعجب سے کہنے لگا: مجھے تو کرنل بابائی دکھائی نہیں دیئے۔

بیٹا! بابائی مسجد میں ہی ہے۔ تم نے سوچا ہو گا کہ کرنل بابائی کو

وردی اور نیم پلیٹ وغیرہ کے کونے میں کھڑا ہوگا۔ بابائی ویسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔

گارڈ نے کہا: میں انہیں نہیں پہچانتا ہوں۔

میں اسکا ہاتھ تھام کر بابائی کے پاس گیا۔ بابائی ہم کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

کیا ہوا؟

یہ گارڈ ایک مشکل میں گرفتار ہے۔

میں حاضر ہوں۔

گارڈ شہید بابائی کو دیکھ کر حیرت زدہ کھڑا تھا کیونکہ وہ ایک کرنل کو ایک سادے لباس اور حلیہ میں دیکھ رہا تھا۔ میں وہاں سے چلا گیا۔ میں نے دور سے دیکھا کہ بابائی نے اسکے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے وہیں چھوڑ کر

آگے بڑھ گیا۔ میرے پاس آیا تو میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے۔اس کے پاس جا کر میں نے کہا: کیوں رو رہے ہو؟

احمد بابا! خدا مجھے معاف کر دے۔ میں بہت لاپرواہ آدمی ہوں۔

اسکے بعد تیزی سے مسجد سے باہر نکل گیا۔ گارڈ سے میں نے پوچھا: کیا ہوا؟

کہنے لگا: نہیں معلوم۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہوا۔

شہید بابائی نے اسی رات آرڈر دیا کہ مہمان خانہ کا ایک کمرہ گارڈ کے بیوی بچوں کو دے دیا جائے اور انکے کھانے کا بھی بندوبست کیا جائے۔ اگلے دن شہید بابائی کے کہنے پر میں انکے کمرے میں بستر لے کر گیا اور اسے دیا۔ میں نے گارڈ سے کہا: کیا بات ہے مبہوت سے ہو۔

کہنے لگا: ہاں بابا! مبہوت بھی ہوں اور خوش بھی۔ رونا بھی چاہتا ہوں اور ہنسنا بھی۔

پھر کہنے لگا: میں نے اپنی عمر میں انکے جیسا انسان کبھی نہیں دیکھا۔

(احمد حبیبی)

پارٹی بازی

میں عباس کا خالو ہوں۔ ۱۳۶۱ میں میرے بیٹے کو فوج میں جانا تھا۔ میری یہ توقع تھی کہ عباس سے رشتہ داری کی وجہ سے میرے بیٹے کو بارڈر پر نہیں بھیجا جائیگا۔

جب میں نے اس سے یہ بات بتائی تو وہ ناراض ہو گیا۔ میں نے دو تین بار اسکے سامنے اپنی بات رکھی لیکن اسکا جواب یہی تھا: "اسے اصفہان ٹریننگ کے لئے آنا ہو گا اور اسکے بعد بارڈر پر جانا ہو گا"۔

میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ "عباس بیٹا! میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے بھائی کو بارڈر پر نہ بھیجا جائے ...

میری بات کاٹتے ہوئے اس نے غصہ اور اظہار افسوس کے ساتھ

کہا:" میں ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ چونکہ میں چھاؤنی کا کمانڈر ہوں اس لئے دوسروں کے بچوں کو تو بارڈر پر بھیج دوں اور اپنے رشتہ داروں کو گھر میں بیٹھا رہنا دوں"۔

گریۂ سحری

میں "رعد" چھاؤنی کا حفاظتی انچارج تھا۔ ایک رات گارڈ میرے پاس بہت پریشانی کی حالت میں آیا اور مجھے جگا دیا۔ کہنے لگا: "چھاؤنی کے جنوبی حصہ میں کوئی آدمی ہے۔ میرے خیال میں کسی مشکل میں گرفتار ہے۔

میں نے کہا: کیا ہوا؟ کہنے لگا: وہ زمین پر بیٹھا ہوا رو رہا ہے۔

میں نے کپڑا پہنا اور گارڈ کے ساتھ اس جگہ پر گیا۔ میں نے اسے کچھ دور پر کھڑا کر کے آواز سے تھوڑا نزدیک ہو گیا۔ مجھے جانی پہچانی آواز لگ رہی تھی۔ قریب جا کر میں نے اسے پہچان لیا۔ چھاؤنی کے کمانڈر بریگیڈیئر بابائی تھے۔ صحرا کے اندر رات کے سناٹے میں وہ بارگاہ خداوندی میں راز و نیاز کرنے میں مشغول اور اپنے اطراف سے بے خبر

تھے۔ میں نے انکی توجہ ہٹانا مناسب نہیں سمجھا اسلئے واپس آیا اور اس گارڈ

سے کہا:

میں انہیں پہچانتا ہوں۔ ان سے کوئی مطلب نہ رکھو اور اس بات کو

کسی سے نہیں بتانا۔

(کرنل خلیل صراف)

وہ آگیا...

ہم جنوب کی ایک چھاؤنی میں تھے کہ سپاہ پاسداران کے کمانڈر آقائے محسن رضائی کا بریگیڈئیر بابائی کے پاس فون آیا کہ نہر جاسم کے علاقے میں ایک فوجی آپریشن کے دوران ہمارے سپاہیوں کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ آقائے رضائی نے ان سے کہا کہ وہ اس محاصرہ کو بمباری کر کے ختم کر دیں۔

اس وقت فضا بہت خراب تھی اور کسی بھی پائلٹ کا ہوائی جہاز اڑا کر دشمن کے علاقے میں جانا اور صحیح سالم واپس آجانا بہت مشکل تھا۔ ایسے حالات میں شہید بابائی کبھی دوسرے پائلٹ کی جان خطرے میں نہیں ڈالتے تھے۔ وہ خود تیار ہو گئے اگرچہ انکے ساتھی کسی بھی قیمت پر یہ نہیں

چاہتے تھے کہ شہید بابائی ایسے حالات میں جائیں اس لئے وہ خود انکی جگہ

جانے کیلئے تیار تھے لیکن وہ نہیں رکے اور جہاز لے کر چل دئے۔

(کرنل خلیل صراف)

بیٹی رحمت ہے.

ہماری شادی کے ابتدائی دنوں سے ہی عباس یہ بات کہا کرتے تھے کہ پیغمبر نے کہا ہے کہ بیٹی رحمت ہے۔ میری خدا سے یہ دعا ہے کہ میری پہلی اولاد بیٹی ہو۔

زیادہ تر وہ ڈیوٹی پر ہی رہتے تھے اور گھر بہت کم آتے تھے لیکن جب انہیں خبر ملی کہ میں اسپتال میں ہوں تو وہ چھٹی لے کر گھر آئے۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد جیسے ہی انکی نگاہ مجھ پر اور سلمی پر پڑی فوراً ہی آسمان کی طرف رخ کر کے اپنے ہاتھ اٹھادیئے اور کہا: "خدایا! تیرا شکر ہے کہ تونے میری آرزو پوری کردی۔ پھر مجھ سے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور بتایا کہ کس طرح وہ یہاں تک پہنچے۔ باتیں کرتے وقت وہ خوشی

سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔

بات کرنے کے بعد وہ اٹھے اور ۲ رکعت نماز شکر ادا کی۔

(صدیقہ حکمت)

عزاداروں کے درمیان پابرہنہ

عزاداروں کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ عباس نے مجھ سے کہا کہ چلو جلوس کی طرف چلتے ہیں۔ ہم لوگ جلوس کی طرف چل پڑے۔ جیسے جیسے ہم لوگ جلوس کی جانب قدم بڑھارہے تھے عباس کا چہرہ روشن تر ہوتا جارہا تھا کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ عباس میرے بغل میں نہیں ہے۔ غور کیا تو دیکھا کہ وہ کنارے اپنا جوتا اتار رہا ہے۔ پھر مجھ سے کچھ بولے بغیر میرے پاس سے گذر کر عزاداروں کے درمیان چلا گیا۔

میں بے اختیار عباس کو ہی دیکھے جارہا تھا جسکی پوری کوشش یہ تھی کہ مجمع کے بالکل درمیان میں جائے۔ کچھ دیر بعد شیریں لب و لہجہ میں اسکے نوحہ کی آواز بلند ہوئی اور جلوس کے ساتھ ساتھ وہ چھاؤنی کی مسجد

تک گیا۔ میں نے آج تک کچھ عزاداروں کو دیکھا تھا کہ وہ پابرہنہ ہو کر عزاداری کرتے ہیں لیکن ایک کمانڈر کو سپاہیوں کے درمیان پابرہنہ ہو کر عزاداری اور نوحہ خوانی کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

(فضل اللہ جاوید نیا)

سادی اور بے لوث زندگی

عباس ایک سادہ انسان تھا۔ خود کو کسی شخصیت کے طور پر پیش کرنا اسکی عادت نہیں تھی اور عہدہ کے ذریعہ نام و نمود کی خواہش اسکے ذہن میں کبھی نہیں رہی۔ بچپن سے ہی اسکا طرز زندگی دوسروں سے الگ تھا۔ کلاس میں بھی انتہائی سادہ لباس پہن کر جاتا تھا اگرچہ اچھا لباس پہن کر جاسکتا تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنے ساتھیوں سے اچھا کپڑا پہنوں۔ اسی وجہ سے اسکول کے عہدیداروں نے اسکا نام محروم طلاب کی فہرست میں لکھ لیا تھا اور انکا ارادہ تھا کہ اسکی مالی مدد کریں گے۔ اس نے پوری زندگی اسی سادگی کے ساتھ بسر کی۔ اسکی نمایاں ترین خصوصیت نام و نمود اور شہرت سے دوری تھی اسی وجہ سے کبھی کبھی

بہت مزیدار واقعات ہو جاتے تھے۔

اسکے ایک دوست نے بتایا کہ جنگی امور کی پلاننگ کیلئے میں اور میرا ایک ساتھی شہید بابائی کے ساتھ اصفہان سے شیراز جا رہے تھے۔ راستے میں روڈ کے کنارے ایک سپاہی کھڑا دکھائی دیا۔ شہید بابائی جو کہ ہمیشہ کی طرح وردی کے بجائے سادہ لباس پہنے ہوئے تھے، کے کہنے پر ہم نے اسے گاڑی میں سوار کر لیا۔ سپاہی پچھلی سیٹ پر اس کے بغل میں بیٹھ گیا۔ اس نے عباس سے پوچھا: سپاہی ہو؟۔ عباس نے کہا: ہاں۔ سپاہی نے اپنا ہاتھ عباس کے پیر پر مارتے ہوئے کہا: تمہاری ڈیوٹی کس جگہ لگی ہے؟ عباس نے کہا: اصفہان کی چھاؤنی ۸ میں۔ سپاہی نے کہا: سنا ہے کہ وہاں کا کمانڈر بہت اچھا آدمی ہے۔

بہر حال اسی طرح وہ سپاہی راستے بھر عباس سے مذاق کرتا رہا۔ جب

ہم چھاؤنی پہنچے تو دروازے پر ہی شہید بابائی کو فوجی سلام پیش کیا گیا اور اسی انداز میں انکا احترام کیا گیا۔ سپاہی کو اب سمجھ میں آیا کہ وہ پورے راستے بھر کمانڈر سے مذاق کرتا آیا ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔ جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر سیٹ پر بیٹھا اور کسی سے کچھ بولے بغیر چھاؤنی کے اندر چلا گیا۔ (لفٹننٹ عظیم دربندسری)

میرے والدین سے نہ بتانا

عباس کی شہادت کے بعد ایک خاتون میرے گھر پر روتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں:" میں اور میرا شوہر ۱۳٤۱ میں اس پرائمری اسکول کے چوکیدار تھے جہاں عباس آخری کلاس کا طالب علم تھا۔ کچھ دنوں سے میرے شوہر کو کمر درد کی مشکل تھی اور میں اکیلے مدرسہ کی صفائی نہیں کر سکتی تھی۔ اسی وجہ سے انہیں کئی بار بچوں کے سامنے پرنسپل کی ڈانٹ سننا پڑی۔ ایک دن ہم نے صبح اٹھ کر دیکھا کہ مدرسہ کا صحن اور کلاس بالکل صاف ہے۔ گیلن اور واٹر کولر میں پانی بھرا ہوا ہے۔ میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ میں معلوم کروں کیا ماجرا ہے۔ اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا اور میرے شوہر سے سب کی شکایتیں دور ہو گئیں تھی اگرچہ ہمیں خود

بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔اس لئے ہم نے سوچا کہ کسی بھی طرح اسکا پتہ لگایا جائے۔

اگلی صبح جبکہ ابھی اندھیرا ہی تھا اور ہماری آنکھیں رات بھر جاگنے کی وجہ سے بند ہو رہی تھیں تبھی ہم نے دیکھا کہ ایک لڑکا اسکول کی دیوار سے کود کر اندر آیا اور صفائی کرنے لگا۔ ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا تو صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے اسکول کا ایک طالب علم تھا۔ جب اس نے ہم لوگوں کو دیکھا تو شرمندہ ہو کر سلام کیا۔اس کا نام پوچھا۔

جواب ملا: "عباس بابائی"

میری آنکھیں بھر آئی تھیں اور میں نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ اسکا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا کہ آیندہ ایسا نہ کرے کیونکہ اگر اسکے گھر والوں کو معلوم ہو گیا تو وہ ناراض ہوں گے لیکن عباس نے جواب

دیا: میں اگر آپ لوگوں کی مدد کروں گا تو خدا بھی تعلیم حاصل کرنے میں

میری مدد کرے گا اور اگر آپ لوگ میرے والدین سے نہیں بتایئے گا تو

انہیں کیسے معلوم ہو جائیگا۔

اب ہمارے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

(اقدس بابائی)

تھرمس توڑ دیا تھا

ہمارے والد کی یہ آرزو تھی کہ عباس ڈاکٹر بنے۔ شاید اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ خود ایک ڈسپنسری میں کمپاؤنڈر تھے۔ ایک سال گرمی کی چھٹیوں میں والد نے اسے ایک ڈسپنسری میں بٹھا دیا تاکہ دوا وغیرہ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر لے۔

عباس کو اس کام سے بالکل دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح والد کے احترام میں اس نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک عرصہ بیت گیا اور عباس پائلٹ کالج میں قبول ہونے کے بعد امریکہ چلا گیا اور وہاں پر ٹریننگ ختم کرنے کے بعد ایران لوٹا۔ اسکے واپس آنے کی خوشی میں ہم نے قربانی کی تھی اور ہم لوگ اسکا گوشت تقسیم کر رہے تھے۔ ایک جگہ پر

عباس گاڑی سے اتر گیااور اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم لوگ گاڑی میں ہی رکیں وہ ابھی آرہا ہے۔

عباس چلا گیااور تھوڑی دیر میں لوٹا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا کام تھا؟ اتنی دیر کیوں لگادی؟

پہلے تو اس نے سر جھکالیا اور کچھ بھی نہیں بتایا لیکن میں نے بہت اصرار کیا تو اس نے کہا:

تقریباً سات آٹھ سال پہلے میں اس ڈسپنسری میں کام کرتا تھا۔ ایک دن اسکے مالک نے مجھے غصہ میں کچھ کہہ دیا اور میں اس وقت چھوٹا تھا اس لئے اس سے تو کچھ نہیں کہہ سکا لیکن بعد میں اسکا تھرمس توڑ دیا۔ آج میں اسی کے پاس گیا تھا تاکہ اس نقصان کی بھرپائی کردوں۔

عباس ٹیم کا کپیٹن

عباس بہت اچھا والیبال کھیلتا تھااور امریکا میں اس نے ایرانی لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک ٹیم بنالی تھی۔ اس دوران ہمارا بہترین کھیل یہی والیبال تھا۔ امریکی اس دوران یعنی ۱۳٤۹ میں والیبال سے ناواقف تھے اور کھیلتے وقت اسکے قوانین کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ایک بار میچ میں انکی انہی سب باتوں کی وجہ سے عباس نے انہیں متوجہ کیا کہ وہ کھیل کے قوانین کی رعایت کریں لیکن ایک امریکی کو عباس کی یہ بات بہت بری لگی اور اس نے غصہ اور حقارت کے انداز میں کہا: یہ اونٹوں کی سواری کرنے والے ہمیں والیبال سکھانے چلے ہیں۔

اس نے عباس سے بد تمیزی کی تھی دوسروں نے کوشش کی کہ اسکا

جواب دیں لیکن عباس نے منع کر دیا اور اس امریکی طالب علم سے کہا:

میں تمہارے ساتھ میچ کھیلنے کے لئے تیار ہوں۔ تم دس لوگ ایک طرف

اور میں اکیلا ایک طرف۔

اس نے یہ بات قبول کر لی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ سبھی طلاب بہت جوش و خروش کے ساتھ میچ دیکھ رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر اور بہت سے لڑکے وہاں اکٹھا ہو گئے۔ اسی سب شور و غل کی وجہ سے وہاں کا مینیجر کلنکل بیکسٹر باہر آگیا اور میچ دیکھنے لگا۔ اسکی نگاہیں عباس پر جمی ہوئی تھیں۔ عباس بازی مار لے گیا۔ کچھ دنوں کے بعد عباس کو یونیورسٹی کی والیبال ٹیم کا کیپٹن بنا دیا گیا اسی وجہ سے مینیجر اسے بہت مانتا تھا اور اسے بیٹا کہہ کر خطاب کرتا تھا۔

(کرنل ابو طالبی)

عظیم شخصیت کو سلام

شہید عباس بابائی ہمیشہ لاچار اور مجبور لوگوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ گرمی کے زمانے میں وہ ان کسانوں اور باغبانوں کے پاس جاتے تھے جنکی مالی حالت بہت اچھی نہیں ہوتی تھی اور فصل وغیرہ کاٹنے میں انکی مدد کرتے تھے۔ سردی کے زمانے میں جب برف کی بارش ہوتی تھی اور لوگوں کی چھتوں پر برف بھر جاتی تھی تو وہ کمزور افراد کے گھروں پر جاکر برف صاف کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ شہادت سے کچھ دن پہلے میں قزوین میں سعدی روڈ پر جارہا تھا کہ میری نگاہ عباس پر پڑی۔ وہ ایک معذور آدمی کو کندھے پر اٹھائے جارہے تھے اور انہوں نے اپنے چہرے پر ایک کپڑا ڈال رکھا تھا

تاکہ پہچانے نہ جائیں۔ میں نے سوچا کہ کہیں خدانخواستہ انکے کسی رشتہ دار کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے تو میں نے انہیں متوجہ کر کے پوچھ لیا: کیا ہوا عباس کہاں جا رہے ہیں؟

کہنے لگے: یہ ضعیف آدمی ہیں۔ انہیں عمومی حمام لے جا رہا ہوں۔ انکے گھر پر کوئی نہیں ہے جو انہیں وہاں لے جاتا۔

یہ منظر دیکھ کر مجھے ایک جھٹکا سا لگا اور میں نے اس عظیم شخصیت کی دل ہی دل میں تعریف کی۔

(مرزا اکرم زمانی)

کمرے کی تقسیم

ہم لوگ پائلٹ کی ٹریننگ کیلئے ٹکزاز کے ایک شہر "لاواک" میں تھے۔ اکثر طلاب پر مغربی ثقافت غالب آچکی تھی۔ عباس جب تک وہاں تھا اسکی کوشش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دوست بنائے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرے تاکہ وہ پردیس میں گمراہی سے محفوظ رہیں۔

میں اکثر عباس کے کمرے میں آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک بار عباس کے کمرے میں گیا تو دیکھا کہ کمرے میں بیچ میں ایک ڈوری بندھی ہوئی ہے میں بہت مشکل سے اسکے نیچے سے گزر کر عباس کے بستر تک پہنچا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ باتوں باتوں میں ٹال گیا۔

میں اسکے کمرے کو دیکھ رہا تھا کہ میری نگاہ اسکے روم میٹ کے بستر پر

پڑی۔ اس نے بہت سے امریکی اداکاروں اور اداکاراؤں کے تصویر لگا رکھے تھے اور میز پر شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

میرے اصرار کرنے پر عباس نے بتایا کہ میں نے اور میرے روم میٹ نے یہ طے کیا ہے کہ چونکہ وہ شراب پیتا ہے اس لئے آدھا کمرا میرا اور آدھا اسکا۔ میں نے اس سے گزارش کی ہے کہ وہ اس طرف نہ آئے۔ یہ ڈوری ہمارا بارڈر ہے۔

دھیرے دھیرے دن بیت رہے تھے۔ میں ہفتہ میں ایک دو بار عباس کے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈوری کی سطح اوپر ہوتی جارہی ہے۔ اب اس کے نیچے سے آرام سے گزرا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن گیا تو دیکھا کہ عباس بہت خوش ہے اور اب ڈوری بھی نہیں ہے۔ میں نے عباس سے وجہ پوچھی تو اسنے کمرے کے دوسری

طرف اشارہ کر دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ اب وہاں پر نہ تو وہ تصویریں تھیں اور نہ ہی شراب کی بوتلیں۔

عباس نے کہا: اب اس بارڈر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا دوست ہمارے ہی جیسا ہو گیا ہے۔

عباس جیسے ہی کسی انسان کو ہدایت کے قابل پاتا تو کوشش کرتا تھا کہ اسکی شخصیت بدل کرر کھ دے۔ ڈوری والی بات اور عباس کے اخلاق و کردار نے اس لڑکے کو اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ اپنے حرام کام کی برائی سے واقف ہو گیا اور اس سے دوراختیار کرلی۔ وہ ایران لوٹنے کے بعد جب بھی بابائی سے ملتا تھا تو مسکراتے ہوئے کہتا تھا: میں اب بھی اپنے عہد پر قائم ہوں۔

(روح الدین ابوطالبی)

وہ شرمندگی سے واپس لوٹ گیا

بریگیڈئیر بابائی کے ساتھ معمولی گاڑی میں بیٹھ کر ہم مغربی ایران کی چھاؤنی میں جارہے تھے۔ چھاؤنی کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پہاڑی راستے میں ہر تھوڑی دور پر کچھ سپاہی کھڑے ہوئے ہیں۔ بابائی نے مجھ سے کہا:"حسن جاکر ذرا دیکھو کہ یہ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟" میں نے پوچھا تو ایک سپاہی نے کہا کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ بریگیڈئیر بابائی آنے والے ہیں۔ دو گھنٹے سے ہم یہیں کھڑے ہوئے انکا انتظار کررہے ہیں لیکن وہ ابھی تک نہیں آئے ہیں۔ ہماری تو کھڑے کھڑے بری حالت ہوگئی ہے۔

بابائی یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور اس سپاہی سے پوچھا:

تمہارے کمانڈر نے یہ بات کہی ہے؟

اس نے کہا: ہاں

بابائی نے کہا: اپنے کمانڈر سے میری طرف سے کہہ دینا کہ بابائی آیا تھا اور شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔

پھر بہت غصہ میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: چلو حسن یہاں سے واپس چلتے ہیں۔

اس منظر کو دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا۔

(حسن روشن)

اصفہان چھاؤنی کو آیت اللہ صدوقی کا تحفہ

ایک رات ہم عباس کے ساتھ آیت اللہ صدوقی سے ملاقات کرنے کیلئے اصفہان سے یزد گئے۔ ٤ گھنٹے ڈرائیونگ کرنے کے بعد ہم انکے گھر پہنچے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ وہ ہمارے استقبال میں دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ان سے جا کر ملے۔ آیت اللہ صدوقی نے عباس سے بہت دیر تک باتیں کیں۔

جب ہم لوگ واپس آنے لگے تو آنہوں نے کار کی چابیاں عباس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا: یہ تمہارے لئے ہے۔ اگرچہ جنگ میں تمہاری زحمت و محنت کے آگے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔

عباس نے کہا: جناب والا! اگر ہم نے کوئی کام کیا ہے تو وہ ہمارا

فریضہ تھا۔ مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔

اس وقت عباس کے پاس ایک معمولی سی پرانی کار تھی جو ہر دوسرے تیسرے دن مکینک کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔

انہوں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ چھاؤنی کے پائلٹ گاڑی لے چکے ہیں صرف تم نے گاڑی نہیں لی ہے۔ میں یہ گاڑی تمہیں دینا چاہتا ہوں۔

عباس نے کہا: میں آپکی بات رد نہیں کر سکتا لیکن اگر آپ لطف فرمائیں اور گاڑی چھاؤنی کے نام ہدیہ کر دیں تو میں بھی اسے استعمال کر لیا کروں گا۔

آیت اللہ صدوقی نے کہا: جناب بابائی! چھاؤنی کی گاڑی کا اپنا الگ حساب کتاب ہے۔ یہ گاڑی تمہارے لئے ہے۔

عباس نے سر جھکائے ہوئے کہا: مجھے معاف کیجئے! اگر آپ یہ

گاڑی چھاؤنی کو ہدیہ کر دیں تو میں زیادہ خوش ہوں گا۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے اگر تم اصرار کر رہے ہو تو میں اسے چھاؤنی کے نام ہدیہ کر دیتا ہوں۔

کاریگر علی نقی

میرے ساتھی نے کہا: کرنل! کاریگر علی نقی کا فون ہے۔ اسے آپ سے کوئی کام ہے۔ میں نے تعجب سے کہا: "ٹھیک ہے میرے کمرے میں فون ملادو"۔ علی نقی ہماری چھاؤنی کا ایک معمولی کاریگر تھا۔ میں نے فون اٹھایا تو بابائی کی آواز تھی۔

اس کے بعد وہ مجھے ہمیشہ کسی نہ کسی کاریگر کے نام سے فون کرتا تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی معمولی کاریگر کو تم سے کام ہو تو تم اس کی بات سنتے ہو یا صرف بڑے عہدیداروں سے ہی بات کرتے ہو۔

(بریگیڈیئر پائلٹ علی محمد نادری)

کاش سب لوگ عباس کی طرح سوچتے

عباس ہمیشہ شہرت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ اس سے ایک بار بھی ملاقات کرنے والا اسکی اس خوبی کو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔

جب عباس اصفہان چھاؤنی کا کمانڈر تھا اس وقت تہران سے ایک خط آیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ہم کچھ اچھے پائلٹوں کا نام لکھ کر تہران بھیج دیں تاکہ انہیں ہدیہ کے طور پر گاڑی دی جاسکے۔ خط کے آخر میں لکھا ہوا تھا کہ یہ تحفہ امام خمینی کی طرف سے ہے۔

عباس خط دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ ہم نے بھی لسٹ تیار کر دی اور چونکہ ہم لوگوں کو عباس کا مزاج معلوم تھا اس لئے ہم نے بہت تذبذب کے ساتھ عباس کا نام بھی لکھ دیا۔ ہمیں معلوم تھا کہ وہ اعتراض کرے گا۔

چونکہ عباس ہمیشہ کہیں نہ کہیں جاتا رہتا تھا اس لئے ایک ہفتہ تک اس سے دستخط کرانے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک ہفتہ کے بعد جب میں اس کے پاس لسٹ لے کر گیا تو اس اپنا نام دیکھ کر ناراضگی کے ساتھ کہا: میرے بھائی! یہ دوسروں کا حق ہے۔ نہ کہ میرا۔

میں نے کہا: کیوں تمہارا حق نہیں ہے؟ سب سے زیادہ پروازیں تمہاری ہیں؟ تم رات دن خدمت میں لگے ہوئے ہو؟... لیکن مجھے معلوم تھا کہ کچھ بھی کہہ ڈالوں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے خاموش ہو گیا اور لسٹ اسکے سامنے رکھ دی۔ اس نے اپنا نام کاٹ کر دوسرے پائلٹ کا نام لکھا اور میری طرف بڑھا دی۔

میں کمرے سے نکلتے وقت سوچ رہا تھا کہ کاش سبھی لوگ عباس کی طرح سوچتے۔

(کیپٹن پائلٹ علی اصغر جہان بخش)

سپاہیوں کی عیدی

عید کے صرف پانچ یا چھ دن بچے ہوئے تھے۔رات ۱۰ بجے بابائی میرے کمرے میں آئے اور سونے کے کچھ زیورات مجھے دیتے ہوئے کہا: "کل مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔انکو بیچ دو"۔

میں نے کہا: اگر آپکو پیسوں کی ضرورت ہے تو مجھ سے لے لیجئے۔ انکو بیچنے کی کیا ضرورت ہے۔

انہوں نے کہا: تم اس کے بارے میں پریشان نہ ہو۔ میں نے اسے بہت پہلے خریدا تھا اب اسکی ضرورت نہیں ہے۔اور میں نے اپنی فیملی سے بات بھی کرلی ہے۔

میں اس کے اگلے دن اصفہان گیا اور انہیں بیچ کر لوٹ آیا۔ عباس کو

میں نے بتادیا کہ کام ہو گیا ہے۔ وہ رات میں پیسہ لینے میرے گھر آیا۔ ہم لوگ باہر نکل کر ٹہلنے لگے۔ انہوں نے کہا: حالات اس وقت بہت خراب ہیں۔ مہنگائی بڑھ رہی ہے اور سپاہیوں کی تنخواہ کم ہے۔ انکی زندگی بہت مشکل سے گزر رہی ہے....

اسکے بعد انہوں نے کہا: تم لوگ فیملی والے ہو۔ تمہارا خرچ بہت زیادہ ہے۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا ہے کہ کیا کروں۔

اس کے بعد عباس نے پیسہ کی ایک تھیلی مجھے دی اور کہا: یہ تمہارے اور تمہاری فیملی کیلیئے۔ جا کر عید کے لئے کچھ خریداری کرلو۔

پہلے تو میں نے نہیں لیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ناراض ہو رہے ہیں تو میں نے پیسہ لے لیا۔

بعد میں مجھے ایک دوست نے بتایا کہ عباس نے اسی رات عید کی

چھٹی پر گھر جانے والے سپاہیوں کو عیدی دی تاکہ وہ اپنے گھر والوں کیلئے سامان خرید سکیں۔

(بریگیڈئیر پائلٹ سید خلیل مسعودیان)

دینی اور سیاسی مسائل پر عباس کی گہری نگاہ

میں امریکا میں ٹریننگ کے دوران جتنے دن بھی عباس کے کمرے میں رہا میں نے دیکھا کہ عباس کی ساری سرگرمی تین چیزیں ہیں: کھیل اور ورزش، فوٹو گرافی اور فطری مناظر کا نظارہ۔

میری عادت تھی کہ میں کھانے کے ساتھ پیپسی پیتا تھا لیکن عباس کبھی بھی پیپسی نہیں پیتا تھا وہ صرف جوس لیتا تھا۔ میں جب بھی اس سے کہتا تھا کہ میرے لئے پیپسی لے آئے تو وہ جوس ہی لے کر آتا تھا۔ ایک بار میں نے اس بات پر اعتراض کیا کہ کیا ہو جائیگا اگر تم پیپسی پی لوگے۔ قیمت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس نے کہا: تم یہ جوس نہیں پی سکتے ہو کیا؟

میں نے کہا: ٹھیک ہے لیکن آخر کیوں؟

آخر کار میرے اصرار پر عباس نے کہا: پیپسی ایک اسرائیلی کمپنی ہے اسی لئے مراجع تقلید نے اسکے پینے کو حرام قرار دیا ہے۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے عباس کو دیکھتا ہی رہ گیا کہ اسکا سیاسی شعور کتنا بلند ہے اور مسائل پر اسکی کتنی گہری نظر ہے۔

(بریگیڈیئر پائلٹ اکبر صیاد بورانی)

بسیجیوں کا نوکر

دو "سی ۱۳۰" بسیجیوں کو لے کر چھاؤنی میں آئے اور بہت سے بسیجی جہاز سے نیچے اترے۔ معمول کے مطابق بابائی بسیجیوں کا لباس پہنے ہوئے چائے کی سینی لے کر ہال میں جانے لگے۔ میں نے کہا: تم رہنے دو میں لے جا رہا ہوں۔

انہوں نے کہا: میں ان بسیجیوں کا خادم ہوں۔ مجھ کو ہی لے جانے دو۔

چائے کی سینی بڑھاتے وقت غلطی سے انہوں نے ایک بسیجی کو چائے نہیں دی۔ وہ بھی بیچارہ تھکا ہوا تھا غصہ گیا اور کہنے لگا: تم نے مجھے چائے کیوں نہیں دی؟

عباس نے کہا: معاف کرنا بھائی! ابھی تمہارے لئے چائے لے آتا ہوں۔

اس نے عباس کو دھکا دے دیا۔ عباس نے کسی طرح خود کو گرنے سے بچایا۔ پھر اس سے معذرت کرتے ہوئے چلے گئے۔ بسیجیوں کا کمانڈر کھڑا ہو گیا اور اس بسیجی کو ڈانٹنے لگا: تم بسیجی ہو!! ایک کپ چائے کیلئے لڑائی کرلی۔ جانتے ہو وہ ہوائی فوج کا آپریشن کمانڈر ہے۔

اس بسیجی کے چہرہ کا تو رنگ ہی اڑ گیا۔ اسی وقت عباس چائے لے کر پہنچ گیا اور بسیجیوں کے کمانڈر سے کہنے لگا: کیوں مجھے انکے سامنے شرمندہ کرتے ہو؟ اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے۔

اس بسیجی نے بابائی سے کہا: مجھے معاف کردیجیے۔ میں بہت تھکا ہوا تھا۔

عباس نے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا: عباس تم سب پر قربان ہو جائے۔ میں تم بسیجیوں کا خدمتگذار ہوں۔

(بریگیڈئیر پائلٹ سید اسماعیل موسوی)

پھر بھی اے ماہ مبین تو اور ہے میں اور ہوں

درد جس پہلو میں اٹھتا ہے وہ پہلو اور ہے (اقبالؒ)

•••

ایک جواں کے نام اقبالؒ کا پیغام

ترے صوفے ہیں افرنگی، تیرے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنائے میں معراج مسلمانی
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نو میید، نومیدی زوال علم و عرفان ہے
امید مرد مؤمن ہے خدا کے راز دانوں میں

ROLE MODELS

SHAHEED ABBAS BABAIE

مثالی لوگ

☆......ایسے لوگوں کی داستان زندگی ہے جنہوں نے ایسی ماؤوں کی آغوش میں تربیت پائی جہاں سختیاں تھیں اور زندگی کی سہولیات میسر نہ تھیں مگران کا دامن کردار کی پاکیزگی اور حیا وعفت سے مالا مال تھا ان غربت کدوں میں مائیں بچوں کو دودھ پلانے سے پہلے دل کو ذکر خدا اور روح کو وضو سے منور کرتی تھیں۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے غربت، نامساعد حالات اور سختیوں کے ساتھ جنگ کر کے علم ودانش، ایمان واخلاق اور کمالات کی چوٹیوں تک رسائی حاصل کی۔

☆......مثالی لوگ، ان لوگوں کی داستان زندگی ہے جن کا سرمایہ ایمان، خدا پر توکل، پرہیزگاری اور سحرخیزی تھا، جن کی راتیں آہ سحر اور خالق کے ساتھ راز ونیاز سے بھری رہتی تھیں، جن کے دن خلق خدا کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی میں گزر جاتے تھے۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا اور خلق خدا کے دشمنوں کے ساتھ اس وقت علم جہاد بلند کیا جب مصلحت کی چادر اوڑھ کے اپنے مفادات کا بچاؤ بڑی چالاکی اور ہوشیاری سمجھا جاتا تھا اور دین وخلق خدا کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی حماقت مانی جاتی تھی، وہ لوگ جنکی زندگی خلق خدا کے لئے شبنم اور ان کے دشمنوں کے لئے دل دہلا دینے والا طوفان تھی۔

☆......مثالی لوگ، گفتار وکردار کے ان غازیوں کی داستان ہے، جو کہتے کم تھے اور کرتے زیادہ تھے، جو اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے، لیکن زبانی نہیں عمل وکردار سے اسلامی اقدار کی عظمتوں کا اعلان کرتے تھے۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے نرم بستر پر آرام کے بجائے میدان عمل میں اسلام کی ترویج اور خلق خدا کی ہدایت کی خاطر در در کی ٹھوکریں کھائی۔

☆......یہ وہ خون جگر پینے والے لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے جیالوں کے حوصلے بلند رکھے، ان کی ہمتیں باندھیں اور ان کا عمل آج بھی ہمیں تاریکیوں میں روشنی دے رہا ہے اور ان کی روح آواز دے رہی ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

BKMX-74

نشر شاهد

تهران • خیابان آیت‌الله طالقانی • خیابان ملک‌الشعرای بهار شمالی۳

www.shahed.isaar.ir(www.navideshahed.com)